ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

19

www.tanzeem.org

21 تا 27 شعبان المعظم 1439ھ / 8 تا 14 مئی 2018ء

اس شمارے میں

اللہ کا وعدہ

اولوالالباب کے ایمان کی کیفیت

مطالعۂ کلام اقبال (69)

ووٹ کو عزت دو: مگر کیسے؟

سرابوں کا سفر

''اسلامی یا اشتراکی نظام کی سیاست کا دور ختم ہو چکا ہے''
خورشید ندیم

کیا اسلامی نظام کی سیاست کا دور ختم ہو چکا ہے؟
تنظیم اسلامی

اسلامی نظام کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت

ہر دور میں دنیا کے لیے ضرورت رہی ہے کہ ایک مکمل معاشرہ' ایک ملت اور ایک عالمگیر دعوت کی سطح پر اسلامی زندگی پائی جائے۔ یہ کہنا کافی اور مفید نہیں کہ صاحب' کتابوں کے اندر پورا اسلام موجود ہے' دیکھ لیجیے' پڑھ لیجیے! یا آپ کہیں کہ اگر آپ کو معلوم کرنا ہو کہ اللہ شناسی کیا ہوتی ہے' اللہ کا خوف کیا ہوتا ہے' اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں' تو ہم آپ کو فلاں بزرگ سے ملا دیں گے۔ اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ دنیا اُس وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے' جب پورے معاشرہ کی سطح پر' پورے تمدن کی سطح پر' عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے۔ قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کر سکتا ہے' اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے' وہ یہ دیکھ سکیں کہ شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں' کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں۔ جب تک یہ نہ ہو' اس وقت تک انسانیت کیا' انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی اسلام کی طرف توجہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور پر روانگی اور فتنۂ سامری

سُورۃُ طٰہٰ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | آیات:84 ، 85

قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾
قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

آیت ۸۴ ﴿قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي﴾ ’’موسیٰؑ نے عرض کیا کہ بس وہ میرے پیچھے پیچھے ہی (آ رہے) ہیں‘‘

آپؑ کی قوم کا قافلہ تو معمول کی رفتار سے آ رہا ہوگا اور آپؑ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مکالمے کے شوق میں تیز رفتاری سے سفر طے کرتے ہوئے وقت مقررہ سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے اس کی وجہ بھی یہی بتائی:

﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾﴾ ’’اور اے میرے پروردگار! میں نے تو تیری طرف (آنے میں اس لیے) جلدی کی تاکہ تُو راضی ہو جائے۔‘‘

گویا اللہ تعالیٰ کے حضور آپؑ فرطِ جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ اقبالؔ کے مصرع میں ذرا تصرف کے ساتھ ’’تو میرا شوق دیکھ مرا اشتیاق دیکھ!‘‘ والی کیفیت تھی۔ آپؑ کا خیال تھا اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور شاباش ملے گی، مگر یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے‘ الٹی explanation call ہوگئی۔

آیت ۸۵ ﴿قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ﴾ ’’اللہ نے فرمایا: تو ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنے میں ڈال دیا ہے‘‘

اگرچہ یہاں صراحت کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے مگر انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کی اس عجلت پسندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا۔

﴿وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾﴾ ’’اور انہیں گمراہ کر دیا ہے سامری نے۔‘‘

اس اندازِ تخاطب میں یہ تفصیل بھی مضمر ہے کہ اگر آپؑ اپنی قوم کے ساتھ ساتھ رہتے‘ ان کا تزکیہ کرتے رہتے‘ وہ لوگ آپؑ کی تعلیم و تربیت سے مسلسل بہرہ مند ہوتے رہتے تو یقیناً ان کی عقل و فہم مزید پختہ ہوتی اور اس طرح اس فتنے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن جب آپؑ انہیں چھوڑ کر آ گئے تو اس کے نتیجے میں ایک فتنہ گر شخص کو اپنا شیطانی کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

سامری کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا تعلق قبطی قوم سے تھا اور کسی وجہ سے وہ بنی اسرائیل کے ساتھ مل چکا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں معتبر رائے یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہی تھا مگر منافق تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسے خاص کد تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ابو عامر راہب کو حضورﷺ سے کد تھی۔ ابو عامر راہب کا ذکر سورۃ التوبہ کے مطالعے کے دوران آیا تھا۔ بنیادی طور پر وہ خزرجی تھا۔ ابتدائی عمر میں بہت نیک اور عبادت گزار تھا‘ بعد میں اس نے عیسائیت قبول کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔ حضورﷺ سے اسے خصوصی طور پر بغض تھا اور اس کا یہ بغض اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی ساری زندگی آپؐ کے خلاف جدوجہد اور سازشوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ جیسا کردار ابو عامر راہب کا اُمت محمدﷺ میں رہا‘ اس سے ملتا جلتا کردار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں سامری کا تھا۔

فرمان نبویؐ

جنت اللہ کے فضل سے ملے گی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ((لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ)) قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ ((لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ)) (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ’’کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔‘‘ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کو بھی نہیں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ’’نہیں میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت (کے دامن) میں ڈھانپ لے۔ اس لئے تم میانہ روی اختیار کرو، اور اللہ کا قرب طلب کرو، اور تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (اس لئے کہ) یا تو نیکو کار ہوگا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکی میں اضافہ کرے اور اگر بدکار ہے تو امید ہے کہ وہ توبہ کر لے۔‘‘

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

اللہ کا وعدہ

پاکستان کی کشتی کیوں ڈگمگا رہی ہے، کیوں ہچکولے کھا رہی ہے۔ اس کی وجوہات پر اختلاف ہوسکتا ہے۔ تند و تیز لہروں اور بادِ مخالف کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ کیسے تیزی سے منزل کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس ملک کو کیسے مضبوط اور مستحکم بنایا جا سکتا ہے اس پر بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔ مثلاً کوئی کہہ سکتا ہے کہ جمہوری راستوں سے بھٹکنے اور مارشل لاؤں کے نفاذ نے اس ملک کو اس حالت تک پہنچایا ہے۔ ہماری رائے نہیں ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان صرف نظریہ پاکستان کو عملی تعبیر دینے سے صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بن سکتا ہے۔ اُس ریاست کی مانند جو مکہ فتح کرنے کے بعد مدینہ میں قائم ہوئی۔ اگر خلافت راشدہ کی پیروی میں نظام قائم کیا جاتا تو پاکستان آج ایک عالمی قوت ہوتا۔ کچھ لوگ سیکولرازم جو سکہ رائج الوقت ہے اُس میں پاکستان کا استحکام دیکھتے ہیں۔ اُن کے مطابق ریاستی معاملات میں مذہب کی مداخلت نے بیڑہ غرق کیا ہے۔ قصہ کوتاہ جو بھی اختلافات ہیں وہ کمزوری، ناتوانی اور غیر مستحکم ہونے کی وجوہات پر ہیں لیکن اس پر مکمل اتفاق ہے کہ وجہ چاہے غیر جمہوری راہوں پر چلنا ہو، یا اسلامی ریاست نہ بننا ہو، چاہے سیکولرازم کے اصولوں پر نہ چلنا ہو لیکن اِس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ بیڑہ اگر غرق ہوا نہیں تو غرق ہوا چاہتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ تبدیلی سب چاہتے ہیں خود تبدیل ہوئے بغیر (الا ماشاء اللہ)

سیاسی قوتوں سے بات کا آغاز کرتے ہیں جو جمہوریت کی دعویدار ہیں لیکن اِن سیاسی جماعتوں میں کسی سطح پر نہ انتخابات ہیں اور نہ جمہوری رویے ہیں۔ شخصیت پرستی ہے، کہیں نواز شریف ہے، کہیں عمران خان اور زرداری ہے۔ جن کی بات اپنی اپنی جماعت میں حرف آخر ہے۔ کوئی اختلاف کرے تو وہ یا چودھری نثار بن جاتا ہے یا جسٹس (ر) وجیہہ الدین بن جاتا ہے۔ سب ڈھنڈورا پیٹتے ہیں بلکہ سیاپا کرتے ہیں اور بین ڈالتے ہیں کہ ہماری اقتصادی حالت دگرگوں ہے، ہم قرضوں کی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں، ہم اقتصادی لحاظ سے دیوالیہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن سرکاری وسائل کی لوٹ مار بھی ہے اور اپنی شاہ خرچیاں بھی ہیں۔ نواز شریف اور زرداری مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر اقتدار حاصل کر چکے ہیں اور یہ دونوں وسائل کو لوٹنے کی ایک دوسرے سے بڑھ کر مثالیں قائم کر چکے ہیں۔

عمران خان نے مرکز میں ابھی اقتدار کا مزہ نہیں چکھا لیکن انگریزی کے محاورے coming events cast their shadows before کے مطابق اور پنجابی محاورے جمد یاں سولاں دے منہ ترکھے (آغاز بتا رہا ہے کہ رخ کیا ہے) کے مطابق وہ بھی تبدیلی کی بجائے روایتی راستوں پر گامزن ہیں۔ ہم یہاں اُن کے حال ہی میں ہونے والے لاہور کے جلسہ کا ذکر کرنا چاہیں گے۔ جلسے کی تشہیر پر وہ اسراف کی تمام حدود پھلانگ گئے۔ اس ملک میں پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا جس کی عوام کی غربت کا ہر تقریر میں وہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نواز شریف اور زرداری کی طرح سرکاری وسائل استعمال نہیں کیے بلکہ اپنی جیب سے خرچ کیا ہے لیکن یہ جن امیدواروں نے اپنی کمائی جلسے پر لٹائی ہے کیا وہ وقت

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

21 تا 27 شعبان المعظم 1439ھ — جلد 27
8 تا 14 مئی 2018ء — شمارہ 19

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

''دار الاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

آنے پر دس گنا وصول نہیں کریں گے؟ پہلے بھی یہی کچھ ہوا اب بھی کچھ نہیں بدلا۔ تبدیلی باتوں سے نہیں عمل سے آتی ہے۔ اتنی رقم سے ایک ہسپتال تو بن سکتا تھا یا کچھ سکول کھل جاتے بہت سے بے گھروں کو چھت ملی سکتی تھی جب تک سوچ کا انداز یہ نہیں ہوگا تبدیلی صرف سیاسی نعرہ ہوگا۔ جہاں تک میاں نواز شریف کا تعلق ہے اُنہوں نے اسٹیبلشمنٹ سے فراغت پائی ہے تو اُنہیں جمہوریت یاد آئی ہے اور لہٰذا جمہوریت کا حق ادا کرنے کے لیے جمہوریت کے دوسرے پائے عدلیہ پر گولہ باری کر رہے ہیں اور آصف زرداری صاحب اینٹ سے اینٹ بجانے سے تائب ہو کر اب اینٹ سے اینٹ جوڑ رہے ہیں۔ یہ جمہوریت کیا پاکستان کو مضبوط اور مستحکم کرے گی؟ کوئی ہدف کازسے مخلص ہوئے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں سیکولرازم کے دعوے دار عجیب لوگ ہیں وہ اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ مذہب بیزار نہیں صرف اسلام بیزار ہیں۔ سیکولرازم سے اگر وہ مخلص ہوتے تو وہ سب مذاہب کو ایک سطح پر رکھتے۔ اُنہیں سندھ میں ہندوؤں کے مذہب بدلنے پر تکلیف ہوتی ہے لیکن بھارت خصوصاً کشمیر میں مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھائے جانے پر وہ خاموش ہیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کو پاکستان میں اقلیت بھی نہ کہا جائے لیکن بھارت میں گائے ذبح کرنے پر مسلمان کے مارے جانے اور بش کے مسلمانوں پر قیامت ڈھانے پر اُنہیں کوئی اعتراض نہیں، تو کیا پاکستان کو وہ سیکولرازم مضبوط وتوانا کرے گا جو صرف اسلام بیزار ہوگا اور صرف مسلمانوں کا بُرا چاہے گا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور پریشان کن رویہ اُن کا ہے جو پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ ہمیں اُن کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا ایک تو بہت چھوٹا سا حصہ ہے جو سمجھتا ہے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے انتخابی نہیں انقلابی طریق درکار ہے۔ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں ایک بات تو کہی جاسکتی ہے کہ اِن کا کوئی ذاتی اور دنیوی مفاد اس جدوجہد سے وابستہ نہیں، وہ اس جدوجہد سے کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں کرتے لیکن صاف بات ہے کہ انقلاب لانے کے لیے خود اپنی ذات میں جس بڑے انقلاب کی ضرورت ہے وہ اس اقلیتی گروہ کی اکثریت میں نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ انقلاب کے امکانات اُس وقت تک معدوم ہوتے ہیں جب تک انقلابی جماعت کی بڑی اکثریت اپنی ذات میں بڑا انقلاب نہ لے آئے۔ رہا سوال اُس دوسرے بڑے حصہ کا جو انتخابی طریق سے پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا دعویدار ہے یہ وہ اسلامی لیکن جمہوری اور سیاسی جماعتیں جو ہر انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں کبھی الگ الگ، کبھی اتحاد بنا کر، ان اسلامی سیاسی جماعتوں کے مخالفین کہتے ہیں کہ وہ اسلام نہیں اسلام آباد چاہتے ہیں۔

تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ اُن کے مخالفین کے اِس تجزیہ کو درست ثابت کرتی ہے۔ یہ اسلامی سیاسی جماعتیں کبھی کسی کا تخت گرانے کے لیے اور کبھی تخت حاصل کرنے کی خواہش میں اُن سیاسی جماعتوں اور اشخاص سے اتحاد کر لیتی ہیں جو حقیقت میں دین دشمن ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بے اصولی اُن کا اصول بن چکا ہے۔ 1977ء کی تحریک اُنہوں نے نظام مصطفےٰؐ کا لیبل لگا کر چلائی لیکن اس تحریک میں نیشنل عوامی پارٹی جیسی کٹر سیکولر جماعت شامل تھی اور کئی ایسے لوگ شامل تھے جو اسلامی شعائر کا مذاق اُڑاتے تھے۔ یہ کبھی عورت کو حکمران بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور کبھی اسلام میں عورت کی حکمرانی کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ جماعتیں جمہوریت کے چمپئن ہونے کی بھی دعویدار ہیں لیکن کبھی جنرل ضیاء الحق کو اور کبھی جنرل مشرف کو سپورٹ کرتی ہیں۔ مغرب کو اپنا اور اسلام کا اصل دشمن قرار دیتے ہیں لیکن ایم ایم اے اتحاد کامیاب ہو کر یورپ کے سفرا کی اسلام آباد کانفرنس میں اُن سے مدد طلب کرتا ہے۔ نظریاتی ہونے کی دعویدار ہیں لیکن بلدیاتی انتخاب میں جماعت کا ایک ذمہ دار ایک سیاسی جماعت کے ساتھ اتحاد کرتا ہے اور دوسرا ذمہ دار اُس کی مخالف سیاسی جماعت سے اتحاد کر کے انتخابات میں حصہ لیتا ہے۔ کیا ایسی حرکتوں سے پاکستان میں اسلام آئے گا اور پاکستان مضبوط و مستحکم ہوگا؟ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست سمجھی جاتی ہے کہ ہدف کچھ بھی ہو خلوص، دیانت، محنت اور مشن سے لگن شرط اول ہے لیکن اہم تر بات یہ ہے کہ آپ کی سمت بھی تو درست ہو، اگر سمت درست نہیں تو جتنا تیز چلیں گے ہدف سے اُتنا ہی دور ہوتے جائیں گے۔ سمت درست ہو تو لائحہ عمل کی غلطیاں آپ کو نقصان ضرور پہنچائیں گی، آپ سست روی کا شکار ہو جائیں گے۔ غفلت بھی ہو سکتی ہے جو مسائل پیدا کرے گی۔ لیکن ہدف سے دوری پیدا نہیں ہوگی۔ اور ایک وقت آسکتا ہے کہ متحرک اور فعال رفقاء کی معیت اور صحبت سے یہ کوتاہیاں دور ہو جائیں اور جماعت منزل پالے اور اصل بات یہ ہے کہ اس جماعت کا معاملہ بہرصورت win win situation کا ہے۔ اگر خدانخواستہ دنیا میں ناکام بھی ہو گئے لیکن جنت ہاتھ سے نہیں جائے گی یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہوگا۔

❁❁❁

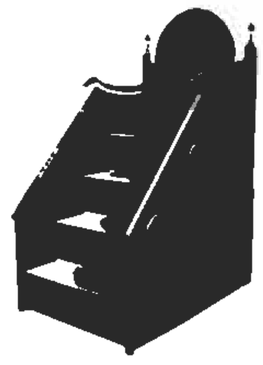

اولوالالباب کے ایمان کی کیفیت

(منتخب نصاب کے درس نمبر 6 کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 27 اپریل 2018ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

محترم قارئین! منتخب نصاب کی ترتیب کے لحاظ سے آج ہم نے درس نمبر 5 یعنی سورۃ الفاتحہ کا مطالعہ کرنا تھا لیکن چونکہ سورۃ الفاتحہ کا تفصیلی مطالعہ ہم پہلے کر چکے ہیں اس لیے آج ان شاء اللہ ہم درس نمبر 6 میں سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کا مطالعہ کریں گے۔ اس میں ایمان کے بنیادی چار تقاضوں یعنی ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی وضاحت ایک نئے انداز میں کی گئی ہے۔ اس رکوع کے حوالے سے بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے جو عنوان باندھا تھا وہ تھا ''اولوالالباب کے ایمان کی کیفیت''۔ یعنی صاحب عقل وشعور لوگوں کے ایمان کی کیفیت۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اللہ کو پہچانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نور ہر انسان کے اندر اللہ نے عہد الست کی شکل میں رکھ دیا ہے۔

''اور یاد کرو جب نکالا آپؐ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو اور ان کو گواہ بنایا خود ان کے اوپر (اور سوال کیا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔ مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔'' (الاعراف: 172)

یہ ایمان کی بنیاد ہر اس شخص کے اندر موجود ہے جو حضرت آدم کی اولاد میں سے ہے۔ لہٰذا اگر انسان کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو، مسلسل گناہ کرنے سے اس کا مزاج بگڑ نہ چکا ہو اور اس کا ضمیر مردہ نہ ہو چکا ہو تو وہ غور وفکر کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ چاہے نبی یا رسول کی دعوت اس تک نہ بھی پہنچی ہو اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اسی حوالے سے ہر انسان مکلّف ہے۔ حضرت آدم کی اولاد میں جو بھی پیدا ہوا ہے اس کا حساب ہونا ہے۔ چاہے نبی کی دعوت اس تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی، ہدایت کی تفصیلات اس تک پہنچی ہیں یا نہیں پہنچیں۔ اس کے اندر عہد الست کی صورت میں جو ایمان موجود ہے اس کی بنیاد پر پوچھا جائے گا کہ غور وفکر کر کے اللہ تک پہنچا تھا یا نہیں اور انسان کے اندر جو اللہ نے ضمیر نامی شے رکھی ہے تاکہ جان سکے کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے اس کے مطابق عمل کیا تھا یا نہیں۔ اللہ کی توحید تک پہنچا تھا یا نہیں۔ چنانچہ ہر شخص سے حساب تو ہونا ہے لیکن ہم سے زیادہ کڑا ہوگا اس لیے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔ لیکن جن لوگوں تک کسی پیغمبر کی دعوت نہیں بھی پہنچی وہ بھی غور وفکر کے نتیجے میں اللہ تک پہنچ سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو۔ کیونکہ اللہ کی معرفت ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

مرتب: ابو ابراھیم

((کل مولود یولد علی الفطرۃ)) ''(نسل انسانی کا) ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔''

یہی بات اس رکوع میں بھی بیان ہو رہی ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں، ہوش مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

یہ آیات جب نازل ہوئی ہیں تو ان کے پس منظر میں کچھ روایات بھی ہیں۔ یہ بہت اہم مقام ہے۔ آنحضور ﷺ کو بھی ان آیات سے خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ ﷺ رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھتے تھے تو آپؐ کی زبان پر یہی آیات جاری ہو جاتی تھیں۔ اس ضمن میں پہلی روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، جسے ان آیات کا شان نزول بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان سے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ فرمائش کی کہ اے اُم المومنینؓ! مجھے آپ وہ واقعہ سنایئے جو نبی اکرم ﷺ کے احوال و واقعات میں آپ کو سب سے زیادہ پیارا لگا ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک گہرے احساس کے ساتھ یہ فرمایا کہ ''آنحضور ﷺ کی تو ساری ہی باتیں نہایت پیاری تھیں اور آپؐ کی تو ہر ادا دل آویز تھی، تاہم آپ نے فرمائش کی ہے تو میں آپ کو ایک واقعہ سناتی ہوں۔ ایک شب آنحضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ لیکن اچانک آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے اجازت دو، میں اس وقت اپنے اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں''۔ میں نے عرض کیا: حضورؐ! مجھے آپؐ کا قرب نہایت عزیز ہے، لیکن جو چیز آپؐ کو پسند ہو وہ اس سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا آپؐ کو اجازت ہے۔ تو آپ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور آپؐ پر رقت طاری ہوئی اور آپؐ روتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا، اس میں بھی گریہ طاری رہا جس کی بنا پر سجدہ گاہ تر ہو گئی اور آپؐ پر رقت اور گریہ کی وہی کیفیت طاری رہی۔ حضرت بلالؓ جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی آنحضور ﷺ کی اس کیفیت کو دیکھا تو انہوں نے عرض کیا حضورؐ! آپؐ پر یہ رقت اور یہ گریہ کیسا؟ حالانکہ اگر بالفرض آپؐ سے کوئی خطا اور لغزش ہوئی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی تمام خطاؤں کو بخش دینے کا اعلان فرما چکا ہے۔ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! میں کیوں نہ روؤں کہ آج کی شب

میں میرے رب نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ پھر آپؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔''

دوسری حدیث بخاری کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنھا، جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، کے گھر رات گزاری۔ نبی اکرم ﷺ جب آئے تو تھوڑی دیر تک آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنھا سے گفتگو کی پھر سو گئے اور پھر آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے یہ آیات تلاوت کیں۔ پھر کھڑے ہوئے، مسواک کر کے وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز تہجد پڑھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں۔ پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔''

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان آیات میں ایسی کیا خاص بات تھی:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں، ہوش مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

آسمانوں اور زمین کی تخلیق، یہ کون و مکان، یہ دن رات کا نظام، یہ پوری کائنات، جب کوئی انسان ان کے اندر غور کرتا ہے تو وہ اپنے رب کی معرفت کے قریب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید سے ایک راہنمائی اور بھی ملتی ہے کہ انسان کا مزاج اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ چالیس سال کے قریب جب پہنچتا ہے تو وہ غور کرنے پر مجبور ہوتا ہے، کچھ لوگ زیادہ غور کرتے ہیں کچھ سرسری غور کر کے ان باتوں کو جھٹک دیتے ہیں کہ میں ہوں کون؟ یہ کیا سلسلہ ہے؟ یہ موت وحیات کیا ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ظاہر ہے ہر شخص کو یہ پتا ہے کہ مرنا تو ہے۔ جب تک جوانی کا جوش ہے تو مرنے کا خیال بھی نہیں آتا لیکن جب چالیس سال سے اوپر عمر ہونے لگتی ہے تو پھر کچھ سنجیدگی آتی ہے۔ تب یہ سوالات اس کے ذہن میں آتے ضرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر و شر کا شعور بھی رکھا ہے۔ یونیورسل moral laws اندر موجود ہیں اور اندر اللہ کی معرفت بھی ہے۔ لہٰذا جو سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں وہ غور و فکر کے نتیجے میں اللہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ ''جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی، اور مزید غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔''

ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ نے پنج وقتہ نماز کا نظام دے دیا ہے کہ ایک رب ہے اس کے سامنے حاضر ہو جاؤ، پھر اپنے ایمانیات کو تازہ کرو۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نماز تو پڑھ لیتے ہیں لیکن ہمیں کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ہم نے کیا پڑھا، اس کا مفہوم کیا ہے اور کیا اس کا حاصل ہے؟ الا ماشاء اللہ۔ لیکن اصل میں یہ نماز تحفہ ہے۔ انسان دنیا کے مشاغل کے اندر گم ہو جاتا ہے اور آخرت کا خیال اور جو اصل حقائق ہیں وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ یاد کرانے کے لیے یہ تحفہ اللہ نے عطا فرمایا۔ لیکن جن لوگوں کو یہ تحفہ نصیب نہیں ہوا، انہیں کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی وہ بھی جب کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں تو بالآخر اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کائنات کا نظام خود بخود نہیں چل رہا بلکہ کوئی ہے جو اس کو چلا رہا ہے۔ کوئی ہے جو ہمارے لیے رزق کے اسباب پیدا کر رہا ہے۔ سورج، زمین، چاند، ستارے اپنے وقت پر چل رہے ہیں۔ یہ کائنات اتنی منظم ہے اور اتنی وسیع ہے۔ ضرور کوئی قوت ایسی ہے جو اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے ورنہ اس کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ انسان اس غور و فکر کے نتیجے میں کہتا ہے کہ:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا ہے۔''

اس غور و فکر کے نتیجے میں ایک تو اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اس نتیجے پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ انسان کو پیدا کیا ہے تو اس کا ایک

پریس ریلیز 04 مئی 2018ء

عمران خان کا ریاست مدینہ کا تصور محدود اور ادھورا ہے

ریاست مدینہ اسلام کا مکمل نمونہ تھی اور خلافت راشدہ کا دور اس کا عملی مظہر تھا

آج ہم قومی سطح پر جن مسائل اور مصائب سے دوچار ہیں اس کی صرف اور صرف وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی نظام کو آزمانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔

حافظ عاکف سعید

عمران خان کا ریاست مدینہ کا تصور محدود اور ادھورا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ عمران خان نے اگلے انتخابات کے لیے جس منشور کا اعلان کیا ہے اس کے سارے نکات قومی نقطۂ نظر سے بہت اچھے ہیں لیکن ان کا ریاست مدینہ کے حوالے سے تصور نامکمل ہے۔ ریاست مدینہ اسلام کا مکمل نمونہ تھی اور خلافت راشدہ کا دور اس کا عملی مظہر تھا۔ اسلام میں مرد و زن کے اختلاط کی اجازت نہیں علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیم عمران خان کے ایجنڈے کا حصہ نہیں۔ انہوں نے عمران خان کو مشورہ دیا کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ریاست مدینہ جیسی ریاست بنانے کے لیے وہ علماء کرام سے مشورہ اور رہنمائی حاصل کریں۔ انہوں نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ کے بغیر نہ صرف یہ کہ پاکستان مستحکم نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی بقا اور سلامتی کو بھی شدید خطرات لاحق رہیں گے۔ آج ہم قومی سطح پر جن مسائل اور مصائب سے دوچار ہیں اس کی صرف اور صرف وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی نظام کو آزمانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ انہوں نے دعا کی کہ عمران خان کا ریاست مدینہ کا تصور وسیع اور جامع ہو اور وہ پاکستان کو مکمل اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی جدوجہد کریں۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسلام کا معاشرتی نظام جامع اور فطری ہے اس سے اعراض نہیں کیا جا سکتا۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

مقصد ہے اور وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کا ایک دن محاسبہ ہونے والا ہے۔ یہ جو دنیا کے اندر ظلم ہے، جو غریب آدمی ہے اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے اور جس کے پاس پاور ہے وہ اس کا غلط استعمال کرتا ہے، لوگوں کے حقوق غصب کرتا ہے۔ ایک طبقہ سارے وسائل پر قابض ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہے۔ یہ کیا نظام ہے؟ چنانچہ جب بندہ غور کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ کوئی امتحان ہے جس کا بالآخر نتیجہ بولنا ہے۔ ہر ایک کے اعمال کا حساب ہونا ہے۔ ظالموں کو ان کے کیے کی سزا ملے گی اور مظلوموں کے ساتھ انصاف ہوگا۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں رہتے ہوئے بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن اس دن کے خوف سے باز رہے، ان کو بھی تو کچھ ایوارڈ ملے گا ضرور۔ اس احساس کے ساتھ ہی پھر دل میں اس دن کا خوف بھی پیدا ہوگا اور بندہ رب سے دعا کرے گا کہ:

﴿سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ''تو پاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے)' پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا!''

یہ ایمان باللہ سے ایمان بالآخرت تک عقلی سفر ہے اور ایسے لوگ جو یہاں تک اپنا سفر طے کر چکے ہوں ان تک جب نبی کی آواز پہنچتی ہے تو وہ لپک کر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سارے پراسس سے گزر چکے تھے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے دعوت دی تو ایک لحظہ کا بھی توقف نہیں کیا فوراً ایمان لے آئے۔ اسی طریقے سے عرب معاشرے میں ہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ کے صحابہ میں سے ہیں، ان کے والد زید کا اگرچہ آغاز وحی سے پہلے انتقال ہو گیا۔ لیکن ان کے بارے میں یہ بات بہت معروف تھی کہ وہ موحد تھے۔ انہوں نے کبھی کسی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ بیت اللہ کے پردے پکڑ پکڑ کر اللہ سے دعائیں کرتے تھے کہ پروردگار میں صرف تجھے پوجنا چاہتا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ کیسے پوجوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن تک نبی کی آواز ابھی نہیں پہنچی ہوتی مگر وہ اپنی عقل کے اس پراسس سے گزر کر اللہ کو پہچان چکے ہوتے ہیں اور آخرت کا ایک تصور ان کے ذہن میں آ چکا ہوتا ہے۔

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ﴾ ''اے ہمارے ربّ! جس کو تو نے داخل کر دیا آگ میں بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا۔''

یعنی اصل رسوائی وہ ہے، دنیا کا معاملہ تو عارضی ہے۔

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾﴾ ''اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔''

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۣ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا' جو ایمان کی ندا لگا رہا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر' تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے ربّ، ہمارے گناہ بخش دے!' اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے!' اور ہمیں وفات دیجیو اپنے نیکوکار (اور وفادار) بندوں کے ساتھ۔''

ظاہر ہے اس زمانے میں یہ ندا دینے والے رسول یا نبی ہی ہوتے تھے۔ وہ ندا سننے کے بعد ان کے اندر کی کیفیت کی تصدیق ہو جاتی ہے تو وہ فوراً ایمان لے آتے ہیں اور پھر اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس سے پہلے اگر ہم سے کوئی خطائیں ہوئی ہیں تو معاف فرما دے۔ استغفار تو بندے کو ہر وقت کرنا چاہیے کیونکہ چھوٹی بڑی خطا ہر انسان سے ہوتی رہتی ہے۔ نسیان بھی انسان کی کمزوری ہے۔ بھول کر بھی کوئی غلطی کر لیتا ہے۔ تو مسلسل استغفار کرنا بندگی کی علامت ہے۔ یہ نہیں کہ اگر کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہو تو اب جا کر مغفرت کے لیے اللہ کے آگے گڑگڑا رہے ہیں۔ نہیں! بلکہ کثرت استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ذکر آتا ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ میں روزانہ دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔ اب آپ کا استغفار کس معنی میں تھا کہ جو رسالت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ بڑی کٹھن، بہت اہم اور بڑی نازک ہے لہٰذا کہیں مجھ سے اس میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ دن بھر دعوت کا کام کرتے اور راتوں کو رب کے حضور کھڑے ہو جاتے۔ یہ ایسی مشقت تھی کہ ہم اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ لیکن پھر بھی یہ احساس کہ شاید کوئی کمی رہ گئی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ مکہ کے تیرہ برسوں میں مشکل سے دو سو لوگ ایمان لائے۔ حالانکہ کئی ہزار کی آبادی تھی۔ چنانچہ آپ فکرمند تھے اور دن میں ستر مرتبہ آپ ﷺ استغفار کرتے تھے۔ حالانکہ آپ معصوم عن الخطاء ہیں۔ اسی طرح ایک سلیم الفطرت انسان ایمان لانے کے بعد رب سے دعا کرتا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ''اے ہمارے رب' ہمیں بخش وہ سب کچھ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے' اور ہمیں رسوا نہ کیجیو قیامت کے دن' یقیناً تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔''

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ﴾ ''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی' کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔''

یہ بھول جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ظلم کر سکتا ہے یا کسی نے تو بہت نیکی کا کام کیا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ ہو۔ اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جس نے بھی کوئی محنت کی ہے، عمل کیا ہے، نیک کام کیے ہیں اس کو پورا پورا اجر مل جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم اور ناانصافی نہیں ہوگی۔

﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔''

مرد ہو یا عورت انسانیت ہی کا ایک حصہ ہیں۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ نے ان کو دو حصوں میں بنا دیا ہے۔ اس کی اپنی ایک خاص مصلحت ہے۔ لیکن شرف انسانیت میں سب برابر ہیں۔ ایک مرد جو نیکی کا کام کر رہا ہے وہ کام اگر عورت کرتی ہے تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ مرد کو ملے گا۔ یہ نہیں کہ وہ اس معاملے میں کسی اعتبار سے کم تر ہے۔ البتہ اس کو ایک اعتبار سے مرد کے تابع کیا گیا ہے اور وہ ہے گھر کا ادارہ۔ گھر کے ادارے میں سربراہ مرد ہے۔ کیونکہ اگر گھر کے سربراہ دونوں ہوں گے تو پھر کئی طرح کے فساد معاشرے میں جنم لیں گے۔

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ ''سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے'' چونکہ یہ مدنی سورت ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے جو مسلمانوں نے مکہ میں سخت وقت گزارہ تھا اس کے حوالے سے فرمایا۔

﴿وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾﴾ ''اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں میں لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دوں گا اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور یہ بدلہ ہوگا اللہ کی طرف سے۔ اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اسی راستے پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (اسی رکوع کا مزید مطالعہ ان شاء اللہ آئندہ)

❁❁❁

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha@yahoo.com

سلسلہ وار
69 مطالعۂ کلامِ اقبال

فرمودۂ اقبال
کُلّیاتِ فارسی

حرفے چند با اُمّتِ عربیہ 9 عالمِ عرب سے چند گزارشات

33 بگذر از دشت و در و کوہ و دمن | خیمہ را اندر وجودِ خویش زن

اپنی سلطنت کے جنگلوں اور درّوں اور پہاڑوں اور وادیوں کے خیالات سے نکلو اور اپنے گریبان اور وجود کے اندر جھانک کر اپنے ضمیر کے مطابق فیصلے کرو

34 طبع از بادِ بیاباں کردہ تیز | ناقہ را سردہ بمیدانِ ستیز

اے عربو! اپنی (بے بضاعتی کے باوجود) اونٹنی کو بیابان کی ہوا (شاندار ماضی اور اسلامی روایات) کے ذریعے تیز کر کے عالمی استعمار کے مقابلے کے لیے صحراء میں نکل پڑو (اللہ تمہاری مدد فرمائے گا)

35 عصر حاضر زادۂ ایّام تست | مستیٔ او از مئے گلفامِ تست

(اسلام کے آنے سے دورِ جدید کی داغ بیل پڑی) اور تیری وجہ سے آج کا مغرب بامِ عروج پر ہے اور اس کی سائنسی ترقی تیری (مسلمانوں کی) محنتوں کا ثمر ہے اور تیری سرخ شراب (سرخ اونٹوں) سے اس کی مستی (ترقی) قائم ہے

36 شارحِ اسرارِ او تو بودۂ | اوّلیں معمارِ او تو بودۂ

اے عالم عرب! رازوں (ایجادات) کی طرح ڈالنے والا تو (سپین کا عرب بنواُمیہ کی ایک شاخ کا عبد الرحمٰن اوّل) ہے اور یورپ کی تعمیر جدید کا تو معمار (سپین کا مسلم اقتدار) ہے (تجھے اپنا مقام پہچاننا چاہیے) ❶

33۔ اپنی اپنی علیحدہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے خیالات کو جھٹک دو۔ اس تصور سے باہر نکلو اور اپنے جنگلوں، پہاڑوں، درّوں اور وادیوں کی حفاظت کی بجائے اپنے اندر جھانکو اور اپنے ضمیر کے مطابق فیصلے کرو۔ تمہارا ضمیر تمہیں اسلام کے مطابق ہی فیصلے کرنے کا مشورہ دے گا، اور اپنے ضمیر کے مشوروں پر لبیک کہو۔ بقول اقبال!

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

پاک ضمیر اور پاک روح کے ساتھ کیے گئے فیصلے نتیجہ خیز ہوتے ہیں اور الہامی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و تائید کی نوید دلاتے ہیں۔

34۔ اے عالم عرب! اپنی اونٹنی (اپنی جدوجہد) کو اپنی بے سروسامانی کے ماحول میں ہی منزل کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دو اور اسلامی روایات کے شاندار ماضی کے تذکروں سے جدوجہد کو تیز تر کر دو اور عالمی صہیونی مغربی استعمار کے مقابلے کے لیے صحرا میں نکل پڑو اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

35۔ اے عربو! آج کا مغرب عصر حاضر میں جس عروج پر نازاں ہے اس کی داغ بیل اسلام کے ظہور سے پڑی اور عصر حاضر کی موجودہ ترقی و کامرانی اے عربو! اسلام اور تمہاری مرہونِ منّت ہے۔ آج کی ساری سائنسی ترقی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی محنتوں کا ثمر ہے۔ مغربی صہیونی استعمار کی ساری مستی (ترقی) تمہارے سرخ اونٹوں (سرخ شراب) کی بدولت ہے لہٰذا تمہارا سائنسی کمالات و ایجادات پر زیادہ حق ہے۔ افسوس کہ متعصب مغرب مسلمانوں کے احسانات کا تذکرہ بھی نہیں کرتا اور مسلمان مشاہیر کے ناموں کو بھی بگاڑ کر پیش کرتا ہے۔

36۔ اے عالم عرب! اسلام کی بدولت تمہیں دنیا میں عروج ملا اور تم صحراؤں سے نکل کر تمام عالم کو تہذیب و تمدن کے علاوہ سائنسی طرز فکر اور انداز تحقیق عطا کرنے والے بنے۔ عصر حاضر کی ساری ایجادات کی ابتداء کرنے والا اندلس کا عرب یعنی تو ہے اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور تعمیر جدید کا معمار تو سپین کا مسلم اقتدار ہے۔ اے عالم عرب! جاگو اور تاریخ میں اپنا مقام پہچانو۔ بقولِ علامہ اقبال

ہے خاک فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

❶ مسلمانوں نے 93ھ میں مراکش سے یورپ میں قدم رکھا اور طارق بن زیاد کے ذریعے دورِ بنواُمیہ میں مغربی یورپ فتح کر کے قلب فرانس تک جا پہنچے اور 711ء تا 1492ء آٹھ صدیاں حکومت کی۔ اس وقت اس خطے کا نام اندلس تھا جسے عیسائیت اور یہودیت نے 1492ء کے بعد پہلے ہسپانیہ نام رکھا اور پھر اس کو بھی بدل کر سپین (SPAIN) کر دیا تاکہ مسلمان نوجوان اندلس نام کا ملک دنیا کے نقشے میں تلاش نہ کر سکے اور اسلاف سے بدظن ہو جائے۔ یہ مغرب کی علمی اور تاریخی بددیانتی ہے۔

جن کا نعرہ ہے کہ "ووٹ کو عزت دو" انہوں نے ہی سب سے زیادہ ووٹ کو بے عزت کیا ہے: ایوب بیگ مرزا

اس ملک میں نہ ووٹ کی عزت ہے اور نہ ووٹر کی عزت ہے۔ ووٹ لیتے وقت وعدہ کچھ اور کرتے ہیں اور عمل ان کا کوئی اور ہوتا ہے: خالد محمود عباسی

ہمارے ہاں جو فرسودہ نظام چل رہا ہے ہماری نام نہاد جمہوریت اسی کو سپورٹ کر رہی ہے۔ انقلاب کے بغیر تبدیلی نہیں آسکتی: ڈاکٹر غلام مرتضیٰ

ووٹ کو عزت دو: مگر کیسے؟ کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

سوال: کیا ووٹ ڈالنا ووٹ کو عزت دینے کے مترادف ہے؟

ایوب بیگ مرزا: یقیناً ووٹ ڈالنا ووٹ کو عزت دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اس کی اہمیت ہے۔ اس کے ذریعے ہم ان لوگوں کا چناؤ کرتے ہیں جن کو ملک میں انتظامی حوالے سے ذمہ داری سنبھالنی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: ووٹ ایک مشورہ ہے اور مشورہ پوری دیانت داری سے دینا ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی جو رائے ہو آپ اس کا پوری دیانت داری سے اظہار کریں۔ لیکن ہمارے ہاں رائج شدہ جمہوریت میں ووٹر کے پاس کوئی آپشن نہیں ہے کیونکہ اگر دو اُمیدوار کھڑے ہیں تو دونوں ایک جیسے بھی ہو سکتے ہیں۔ ووٹر کے پاس یہ چوائس ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کے حق میں رائے دے۔

خالد محمود عباسی: ہم اس ملک میں رہتے ہیں۔ اس معاشرے کا حصہ ہیں۔ لہٰذا ہم ملکی معاملات سے لاتعلق نہیں ہیں اور ہم ان معاملات میں پوری طرح حصہ لے رہے ہیں۔ یعنی جمہوری اقدار کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ووٹ ڈالنا تو بالکل جائز ہے اور ووٹ کو عزت دینے کے مترادف ہے۔

سوال: کیا ووٹ نہ دینا ووٹ کو بے عزت کرنا ہے؟

خالد محمود عباسی: جمہوری رویوں کے مطابق ووٹ نہ دینا کوئی بے عزتی والا معاملہ نہیں ہے کیونکہ ہر آدمی اپنی رائے کے اظہار کے معاملے میں آزاد ہے۔ یعنی یہ بھی جمہوریت میں شامل ہے کہ کوئی اپنی رائے نہیں دے رہا۔ ایک شخص علیٰ وجہ البصیرۃ ووٹ نہیں دے رہا وہ سمجھ رہا ہے کہ ان میں سے کوئی حقدار نہیں ہے۔ یہ تو بین الاقوامی طور پر مانی جانے والی حقیقت ہے۔ اقوام متحدہ میں جب ووٹنگ ہوتی ہے تو اکثر ممالک اپنی رائے نہیں دیتے۔ لہٰذا ووٹ نہ دینا کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کو معاشرے میں جرم سمجھا جاتا ہو اور نہ ہی یہ امانت کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن اگر رویہ یہ ہو کہ مجھے اس سے کیا غرض، میرا ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، یہ غلط لوگوں کا کام ہے لہٰذا میں اس معاملے میں نہیں پڑتا تو یہ ایک غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے۔

مرتب: محمد رفیق چودھری

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: ووٹ نہ دینا بھی ووٹ کو عزت دینا ہے کیونکہ اگر آپ غلط شخص کو ووٹ دے دیں گے تو گویا آپ ووٹ کی بے عزتی کریں گے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میرے سامنے جو امیدوار ہیں وہ اہل نہیں ہیں تو آپ کی اس رائے کی اپنی اہمیت ہے۔ مثال کے طور پر ایک حلقے میں ایک لاکھ ووٹر ہے ان میں سے نوے ہزار ووٹ نہیں ڈالتے تو اس سے اُمیدواروں کے نااہل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: بعض ممالک میں ووٹنگ لسٹ میں اب یہ چیز شامل کی گئی ہے کہ آپ لکھ دیں کہ میں کسی کو ووٹ نہیں دے رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ووٹ کی عزت ہے۔ یعنی میرا ووٹ اتنی اہم چیز ہے کہ اُمیدواروں میں سے کوئی اس کا اہل ہی نہیں ہے۔

سوال: ووٹر ووٹ کو عزت کیسے دے؟

ایوب بیگ مرزا: وہ اس طرح ووٹ کو عزت دے سکتا ہے کہ مثال کے طور ایک شخص کا سگا بھائی الیکشن میں کھڑا ہے۔ لیکن وہ اس بات کا قائل ہے کہ ووٹ اہل شخص کو دینا چاہیے۔ وہ اپنے بھائی سے اچھے تعلقات رکھنے کے باوجود دوسرے شخص کو ووٹ اس بنیاد پر دیتا ہے کہ وہ اس کے بھائی سے زیادہ اہل ہے تو وہ شخص گویا ووٹ کو عزت دے رہا ہے۔ لیکن اگر وہ اس بنیاد پر ووٹ دے کہ بے شک نظریاتی اور اصولی طور پر دوسرا شخص ووٹ کا زیادہ حقدار ہے لیکن ہمارا برادری کا معاملہ ہے تو یہ ووٹ کی تذلیل ہے۔ ہمارے ہاں جب غیر جماعتی انتخابات ہوئے تھے تو اس کے بعد یہ چیز جمہوریت میں در آئی ہے اور یہ ووٹ کی بھی تذلیل ہے اور اپنی بھی تذلیل ہے۔

سوال: اہل سے کیا مراد ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اُمیدوار جس منصب کے لیے الیکشن لڑتے ہیں وہ قوم کی امانت ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی اُمیدوار اس منصب کو سنبھالنے کا اہل ہے تو آپ اس کے حق میں رائے دیں۔ لیکن اگر اہل نہیں ہے تو پھر اس کے حق میں رائے نہیں دینی چاہیے۔ جس طرح آپ نے رشتہ کرنا ہو تو آپ لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں اور لوگوں سے یہی توقع کرتے ہیں کہ وہ آپ کو صحیح رائے دیں گے۔ اسی طرح آپ کو قومی معاملات میں بھی صحیح رائے دینی چاہیے۔

ایوب بیگ مرزا: ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کن لوگوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں ایم این اے یا ایم پی اے نے ہماری گلی پکی کروائی، فلاں سڑک بنوائی یا فلاں پل بنوایا لہٰذا میں ووٹ اس کو دوں گا۔ لوگوں کو پتا ہی نہیں کہ ایم این اے اور ایم پی اے کے ذمہ یہ کام ہی نہیں ہیں۔ ایم پی اے کا کام ہے کہ صوبائی سطح پر قانون سازی کرے اور ایم این اے کا کام ہے کہ مرکزی لیول پر

قانون سازی کرے۔ ووٹر کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جس کو میں ووٹ دے رہا ہوں کیا وہ قانون سازی کے حوالے سے اچھا ذہن رکھتا ہے یا نہیں۔

سوال: ووٹر نے جو ووٹ کو بے عزت کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

خالد محمود عباسی: عزت مانگ کے نہیں ملا کرتی بلکہ عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ اصول ہے۔ ووٹر اگر عزت نہیں دے رہا تو بنیادی بات یہ ہے کہ ووٹر کی تربیت نہیں ہوئی۔ اس کے لیے سیاسی پارٹی میں بھی جمہوریت درکار ہوتی ہے۔ اس میں نامزدگیاں نہ ہوں، بلکہ جتنے بھی عہدیدار ہوں وہ جمہوری اصولوں کی بنیاد پر وہاں پر الیکٹ ہو کر آئیں۔ اسی طرح اُمیدواروں کا تعین بھی کارکنوں سے رائے لے کر کیا جائے نہ کہ لاہور یا لاڑکانہ بیٹھ کر اس کا فیصلہ کیا جائے۔ اگر آپ یہ رویے اپنی پارٹی کے اندر اپنائیں گے تو آپ کی پارٹی ایک جمہوری پارٹی ہوگی۔ اس سے عوام کو ایک پیغام جائے گا، عوام کی تربیت ہوگی اور وہ اُمیدوار چھانٹی ہو کر سامنے آئیں گے جو ضمیر فروش نہیں ہوں گے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری ساری سیاسی پارٹیاں آمریت کے اصول پر چل رہی ہیں سوائے جماعت اسلامی کے جس میں جمہوریت ہے۔

ایوب بیگ مرزا: جماعت اسلامی کے علاوہ کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جس میں جمہوری اصولوں کے مطابق الیکشن ہوئے ہوں اور اپنے نمائندوں کا انتخاب کیا جاتا ہو۔ جہاں تک فنڈز دینے کا معاملہ ہے تو یہ بدعت بھی غیر جماعتی انتخابات کے دوران سامنے آئی تھی۔ اس سے پہلے اس طرح فنڈز نہیں دیے جاتے تھے۔

سوال: الیکشن کمیشن کی کیا ذمہ داری ہے۔ امیدوار کو الیکشن کمیشن ہی سٹیٹس دیتا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: الیکشن کمیشن کے اختیارات بھی محدود ہیں اور اس کا دائرہ کار بھی محدود ہے۔ امیدوار کے معاملے میں وہ انہی چیزوں پر فیصلہ دے سکتا ہے جو اس کے سامنے ہوں گی۔ 2013ء میں بڑا عجیب وغریب انداز اختیار کیا گیا تھا کہ امیدوار سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ تم فلاں آیت سنا دو یا تم آیۃ الکرسی سنا دو تو تم پاس ہو۔ اصل میں دیکھنے والی شے یہ ہونی چاہیے کہ ایک شخص کا ریکارڈ امانت داری کے حوالے سے کیا ہے۔ کیا اس نے کوئی قرضے تو معاف نہیں کرائے ہیں؟ کیا اس نے کوئی قبضے تو نہیں کیے ہوئے۔ اگر کوئی ماضی میں سرکاری ملازم تھا تو اس کا ریکارڈ چیک کرنا چاہیے کہ اس نے کوئی کرپشن، رشوت، غبن وغیرہ جیسے کام تو نہیں کیے ہوئے۔

خالد محمود عباسی: الیکشن کمیشن اس کے مطابق ہی عمل کرے گا جو اسے پارلیمنٹ نے ڈرافٹ بنا کر دیا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ ایک آدمی بالکل صاف ہے تو وہ الیکشن میں آنے سے پہلے یہ چاہے گا کہ ایسا سسٹم ہو جو میرے پیچھے کھڑا ہو اور جو ثابت کرے کہ میں صاف ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے دعوت دی تو انہوں نے جواباً یہ کہا تھا کہ عورتوں نے جو میرے اوپر الزام لگایا تھا پہلے میرے اس دھبے کو صاف کرو پھر میں آؤں گا۔ ایک آدمی صاف دیانتدار اور امانت دار ہو تو اس کا رویہ یہ ہوتا ہے۔ یہاں جو قانون سازی کرنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ہمارے سفید کپڑوں کے نیچے کیا ہے۔ یہ کبھی بھی الیکشن کمیشن کو اتنا اختیار نہیں دیں گے کہ وہ ان کی حقیقت آشکارا کر دے۔ الیکشن کمیشن کا جمہوریت میں بڑا اہم رول ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کو وہ رول ادا کرنے دیا جانا چاہیے۔ لیکن چونکہ ہمارے ملک میں جمہوریت نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے الیکشن کمیشن نے وہ رول ادا ہی نہیں کیا۔

> **ایک ایسی حقیقی تبدیلی لائے بغیر جو معاشرے کو نیچے سے لے کر اوپر تک تبدیل کر دے، مقتدر طبقات ووٹ کو عزت دیں یا ووٹر کو، یہ ممکن نہیں ہے۔**

سوال: جس کو ووٹ دیا گیا وہ ووٹ کو کیسے عزت دے گا؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: جس ذمہ داری کے لیے عوام نے اس کو ووٹ دیا ہے اس کو وہ پوری ایمان داری سے ادا کرے۔ عزت دی نہیں جاتی بلکہ اپنے آپ کو قابل عزت بنایا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی اسمبلی کا ممبر بنتا ہے تو وہ اسمبلی کے تمام اجلاسوں میں شریک ہو اور اس کی کارروائی میں باقاعدہ حصہ لے اور وہاں اس کی کارروائی کو آگے بڑھانے میں کوئی مثبت انداز میں خدمت کرے۔ وہ صرف ٹی اے ڈی اے یا مراعات کے لیے اسمبلی میں نہ جائے۔

سوال: ہمارے سیاستدان یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ ووٹ کو عزت دو۔ مسلم لیگ ن نے ووٹ کو کتنی عزت دی ہے؟

ایوب بیگ مرزا: جس پیمانے کی اس وقت بات ہو رہی ہے اور واقعتاً وہ پیمانہ ہونا چاہیے۔ اس کے مطابق ایک بھی اسمبلی ممبر یا کوئی سیاسی لیڈر بھی مجھے نظر نہیں آتا جس نے صحیح معنوں میں ووٹ کو عزت دی ہو۔ عمران خان سب سے زیادہ جمہوریت کی بات کرتے ہیں لیکن وہ بھی اسمبلی میں گنتی کے چند دن آئے ہیں۔ اسی طرح باقی جماعتوں کا معاملہ ہے۔ خاص طور پر جماعتوں کے لیڈر اسمبلی میں بہت کم آتے ہیں۔ البتہ دینی جماعتوں کے چند لوگ ہیں جو اسمبلی میں حاضر بھی ہوتے ہیں اور کچھ حاضری کا حق ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جتنے بھی سیاستدانوں نے ووٹ کو بے عزت کیا ہے ان میں سے اس شخص کا حصہ سب سے زیادہ ہے جس نے نعرہ لگایا ہے کہ ووٹ کو عزت دو۔ مثال کے طور پر وہ آغاز میں تحریک استقلال میں تھے وہاں سے کود کر مارشل لاء میں چلے گئے اور وزیر خزانہ بن گئے۔ پھر ایک منتخب لیڈر محمد خان جونیجو کی پیٹھ میں چھرا گھونپا جس کو ایک مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے نکال باہر کیا تھا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ منتخب لوگ منتخب لیڈر کے ساتھ کھڑے ہوتے لیکن وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پھر حمید گل مرحوم نے تسلیم کیا کہ آئی جے آئی میں نے بنائی تھی وہ اس آئی جے آئی کے سربراہ بن گئے۔ پھر انہوں نے اسی اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ مل کر بے نظیر کو وزارتِ عظمیٰ سے فارغ کیا۔ پھر 1999ء میں مارشل لاء لگا تو اسی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے معافی نامہ لے کر باہر چلے گئے۔ کیا وہ معافی نامہ جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ ہمیں باہر جانے دیجیے ہم دس سال تک سیاست میں حصہ نہیں لیں گے یہ ووٹ کی بدترین بے عزتی نہیں تھی؟ پھر اس پر جھوٹ بھی بولا کہ ہم نے معافی نامہ نہیں لکھا لیکن وہ سعودی عرب والوں نے دکھا دیا۔ پھر میمو گیٹ اسکینڈل میں جو کہ خالصتاً اسٹیبلشمنٹ کا کھڑا کیا ہوا ایک کیس تھا اس میں ایک منتخب حکومت کے خلاف کالا کوٹ پہن کر عدالت گئے۔ پھر مرزا اسلم بیگ سے پیسے لے لیے۔ یہ ساری باتیں آن ریکارڈ ہیں۔ یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جن کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال: منتخب لوگ ووٹ کو بے عزت کیوں اور کیسے کرتے ہیں؟

خالد محمود عباسی: اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک پارٹی نے یہ نعرہ لگایا کہ ووٹ کو عزت دو اور ایک خاص تناظر میں لگایا۔ اس کے ردعمل میں ایک دوسری

مہم کھڑی کی گئی کہ ووٹر کو عزت دو۔ حقیقت میں دونوں کا مطلب ایک ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں نہ ووٹ کی عزت ہے اور نہ ووٹر کی عزت ہے۔ یہاں جتنی بھی پارٹیوں کے لوگ ہیں یہ ووٹ لیتے وقت وعدہ کچھ اور کرتے ہیں اور عمل ان کا کوئی اور ہوتا ہے۔ نواز شریف کے بارے میں بیگ صاحب کی ساری باتیں سچی ہیں۔ تازہ ترین بات میں یہ کہتا ہوں کہ یہ پرویز مشرف کے خلاف آئے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ نائن الیون کے بعد پرویز مشرف نے قوم کو ذلیل کیا ہے لہٰذا ہم قوم کو عزت دیں گے۔ لیکن جب یہ خود 2013ء میں اقتدار میں آ گئے تو انہوں نے بھی مشرف کی طرح امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیکے۔ کیا یہ ووٹ کی عزت تھی؟ پھر انہوں نے جس طرح کی معاشی پالیسیاں بنائی ہیں کہ لوگوں کو بالکل ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔ تو یہاں کسی نے بھی ووٹ کو عزت نہیں دی۔ دینی جماعتوں نے دین کے نام پر ووٹ لیے اور وہاں جا کر دین کے تقاضے پورے نہیں کیے بلکہ صرف اپنی سیاسی ضرورتیں پوری کی ہیں۔

سوال: انتظامیہ یا اسٹیبلشمنٹ ووٹ کو عزت کیسے دے؟

خالد محمود عباسی: اسٹیبلشمنٹ وہ ہے جو اسٹیبلشڈ ہے اور اس کے مفادات عوام کی رائے، عوام کی مرضی، عوام کی خواہشات اور مطالبے کے یکسر خلاف ہیں۔ لہٰذا وہ تو بائی نیچر پبلک ول کو عزت نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ یہاں پر ایک حقیقی تبدیلی نہ آئے جو معاشرے کو اوپر سے لے کر نیچے تک تبدیل نہ کر دے۔ یہ تبدیلی لائے بغیر آپ سمجھیں کہ اسٹیبلشمنٹ ووٹر کو عزت دے دے یا ووٹ کو عزت دے دے، تو یہ ناممکنات میں سے ہے۔ اس کے لیے ایک تحریک چاہیے اور وہ تحریک وہ آدمی چلائے گا جس کی اپنی سیاسی پارٹی میں ڈیموکریسی ہو۔ کوئی بھی بادشاہ قسم کا سیاسی لیڈر ایسی تحریک نہیں چلا سکے گا۔ یعنی وہ تبدیلی نیچے عوامی سطح سے اوپر لائے گا۔ اس کے پیچھے ایک طاقت ہوگی جیسے ماؤزے تنگ کے پاس تھی، جیسی طاقت نیلسن منڈیلا کے پاس تھی اور جیسی طاقت گاندھی کے پاس تھی۔ ایسی جمہوری شخصیت جو جڑ سے عوامی طاقت کو اپنے ساتھ لے کر کھڑی ہو وہ جب آئے گی تو اسٹیبلشمنٹ سے عوام کو عزت لے کر دے گی۔

سوال: کیا مارشل لاء کا آنا ووٹ کو بے عزت کرنا نہیں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: مارشل لاء کے آنے کے معاملے میں سیاستدانوں اور فوج کا وہی تعلق ہے جو راشی اور مرتشی کا ہوتا ہے۔ یعنی ایک رشوت دینے والے ہیں اور ایک رشوت قبول کرنے والے ہیں۔ ہندوستان کا ایک اپوزیشن لیڈر پاکستان آیا تھا تو کسی صحافی نے اس سے سوال کیا کہ اگر ہندوستان میں مارشل لاء لگ جائے تو؟ اس نے کہا کہ اگر ہندوستان میں مارشل لاء لگ گیا تو میں اپنی ساری عوام کو لے کر ریل کی پٹڑیوں پر لیٹ جاؤں گا۔ اور اس معاملے میں عوام میرا ساتھ دے گی۔ حالانکہ وہ وہاں کا اپوزیشن لیڈر تھا یعنی اپنی حکومت کا بڑا سخت خلاف تھا۔ جبکہ یہاں اپوزیشن لیڈر خود فوج کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف وہ دعوت کے منتظر ہوتے ہیں۔

سوال: حکومت جیسی بھی ہو کیا اس کو اپنی مدت پوری کرنے کا حق نہیں ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اگر کسی کی حکومت کو کوئی چلنے نہیں دے رہا، اس کے راستے میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ حکومت سے علیحدہ ہو جائے اور نئے الیکشن کروائے کہ عوام اس کا فیصلہ کریں گے۔ لیکن یہاں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس لیے کہ جو برسر اقتدار آئے ہوتے ہیں وہ خود دو نمبری کر کے اقتدار میں آئے ہوتے ہیں لہٰذا وہ مصالحت کر کے چلنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے معاملات خراب ہوتے ہیں۔

> جمہوریت خود سرمایہ دارانہ نظام کی لے پالک ہے۔ جمہوریت کے ذریعے کوئی نظام نہیں بدلا جا سکتا لیکن پاکستان میں تو جمہوریت کے ذریعے شاید بہتر حکومت بھی نہیں لائی جا سکتی۔

ایوب بیگ مرزا: جاپان میں حکومت بعض اوقات سال بھی پورا نہیں کرتی لیکن وہاں جمہوریت کبھی ڈی ریل نہیں ہوئی۔ وہاں کسی پر کوئی الزام لگتا ہے تو وہ خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ لیکن یہاں ایسا رواج نہیں ہے۔ فرض کیجیے فوج کسی کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کرتی ہے تو وہ عوام میں آئے اور لوگوں کو بتائے کہ مجھے کام نہیں کرنا دیا جا رہا تھا اس لیے میں الگ ہو گیا ہوں۔ لیکن یہاں اپنی حکومت کو جاری رکھنے کے لیے ڈیل کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ن لیگ کا دعویٰ ہے کہ اسٹیبلشمنٹ ہمیں حکومت نہیں کرنے دے رہی، ہمارے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ جب ڈان لیکس کا مسئلہ آیا تو آپ نے اسٹیبلشمنٹ کو خاک چٹا دی کیونکہ وہ آپ کی ذات کا مسئلہ تھا۔ اس وقت آپ اسٹیبلشمنٹ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اسے پسپا ہونا پڑا۔ لیکن ملکی معاملات میں آپ اس کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ کر لیتے ہیں۔ اصل میں اخلاص کا معاملہ ہے کہ آپ اپنی قوم اور اپنے ووٹر کے ساتھ کتنے مخلص ہیں۔

سوال: عدلیہ ووٹ کو کیسے عزت دے؟

خالد محمود عباسی: عدلیہ کا ایک آئینی رول ہے وہ اس رول میں رہے۔ چودھری صاحب نے بھی باہر نکل کے کھیلا تھا ان پر بھی انگلیاں اٹھی تھیں۔ موجودہ چیف جسٹس نے جس طرح کی بیان بازیاں شروع کر رکھی ہیں یہ ان کا رول نہیں ہے۔ یہ اپنے فیصلوں سے جو مرضی کریں لیکن یہ جس طرح کھل کر سامنے آئے ہوئے ہیں اس سے ان کے سیاسی عزائم ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر یہ عوامی کام کرنا چاہتے ہیں تو اپنی ایک سیاسی پارٹی بنائیں اس کے تحت کریں لیکن اس سیٹ پر بیٹھ کر اس طرح نہیں کر سکتے۔

ایوب بیگ مرزا: یہاں کوئی بھی کام طریقے اور ضابطے سے نہیں ہوتا۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ یہ قوم کا المیہ ہے۔ یہاں چھوٹے ہوں بڑے ہوں تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل ہوں کوئی بھی نظم وضبط میں نہیں رہتے۔ یہ بالکل درست بات ہے کہ جج نہیں بولتے بلکہ ججوں کے فیصلے بولتے ہیں۔ لیکن یہ وہاں درست ہے جہاں کوئی یہ کہے کہ میں سچائی پر تھا لیکن پھر بھی جج کا فیصلہ میں نے تسلیم کرنا ہے۔ دنیا میں فیصلوں پر تنقید ہوتی ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ جج کے دل و دماغ میں بغض بھرا ہوا تھا، یعنی فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں اور دستخط یہ کرتے ہیں۔ جب آپ یہ کہیں گے تو پھر دونوں طرف سے فاؤل پلے ہوگا۔

سوال: اگر تمام ادارے اپنی حدود میں رہ کر کام کریں تو پھر ووٹ کو عزت ملے گی۔ کیا آپ اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟

خالد محمود عباسی: ووٹ کو عزت تب ملے گی جب ووٹر کو شعور حاصل ہوگا۔ ووٹر کو یہ بھی نہیں پتا کہ ووٹ بیچنا میرے اپنے ضمیر کے خلاف ہے۔ میرا دل تو کرتا ہے کہ میں ووٹ دوں کسی اور کو لیکن میری مجبوریاں مجھے کسی دوسرے کو ووٹ دینے پر مجبور کر رہی ہیں تو پھر ووٹ کو کیسے عزت ملے گی۔

سوال: کیا ووٹ کو صحیح معنوں میں عزت دے کر ملکی حالات بہتر بنائے جا سکتے ہیں؟

(باقی صفحہ 13 پر)

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

سرابوں کا سفر

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

کچھ عرصے سے پاکستان میں تحریک انصاف کے علاوہ انصاف کا ہتھوڑا اور کوڑا چہار جانب کارفرما ہے۔ ہر صبح ہسپتالوں، یونیورسٹیوں، بازاروں، گوالوں، مرغیوں تک کے حوالے سے شہ سرخیاں، فراہمیٔ انصاف پر مبنی خبریں عوام کے چودہ طبق روشن کئے دے رہی ہیں۔ مخصوص سیاست دانوں پر خاص نظرِ عنایت ہے! تاہم اس دوران ایک حیران کن خبر سامنے آئی کہ موٹروے پولیس کا ایک اہل کار حصولِ انصاف کے لیے جوتیاں چٹخا تا پھر رہا ہے۔ قانون کی حکمرانی کے اس غلغلے میں یہ چُوک کیونکر ممکن ہے؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ ضیاء اللہ سال بھر سے بے روزگار ہوا بیٹھا ہے۔ وجہ یہ بنی کہ اس نے چیئرمین نیشنل ہائی وے اتھارٹی کو 2016ء میں تیز رفتاری پر جرمانہ کر دیا تھا۔ اس گستاخی کی سزا وہ آج تک بھگت رہا ہے۔ پہلے اسے انضباطی کارروائی کے تحت اس جرم پر صوابی سے اٹھا کر گوادر پھینک دیا گیا۔ بعد ازاں تنزلی کر کے پٹرولنگ افسر سے ہیڈ کانسٹیبل بنا دیا گیا۔ انہی حیلوں بہانوں میں اسے شوکاز نوٹس بھیجے گئے اور بالآخر ملازمت چھین لی گئی۔ چیئرمین صاحب جو پاکستان کی سڑکوں کے بادشاہ تھے، انہوں نے دوبارہ 25 منٹ بعد ہی تیز رفتاری کی حد دوسری مرتبہ بھی پار کی۔ دو خلاف ورزیوں کے نتیجے میں ان کی لاکھوں کروڑوں بھری جیب نے مبلغ 1250 روپے کا جرمانہ بھرا۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے افسر دونوں مقامات پر چار تھے۔ تاہم اپنا حق مانگنے اور احتجاج کرنے کے نتیجے میں ضیاء اللہ خصوصی نشانہ بنا۔ یوں بھی چیئرمین صاحب اسے جرمانے کے نتیجے میں وارننگ دے چکے تھے نتیجہ بھگتنے کا۔ المیہ یہ بھی رہا کہ ضیاء اللہ جو قبل ازیں غیر معمولی کارکردگی کی بنا پر خصوصی ایوارڈ کا مستحق ٹھہرایا گیا تھا، اسے اس اعزاز سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اس بنا پر ڈیڑھ لاکھ روپے کے انعام سے بھی اسے ہاتھ دھونے پڑے۔ انصاف کی تلاش میں یہ فرض شناس، باصلاحیت افسر مارا مارا پھر رہا ہے۔ قانون شکن چیئرمین صاحب ترقی کی منزلیں سر کرتے بجا طور پر ورلڈ بینک، واشنگٹن ڈی سی میں اعلیٰ تر عہدے پر فائز ہو چکے ہیں۔ (ان کی استحصالی صلاحیتوں کے اعتراف پر انہیں اب غریب مسکین افراد کی بجائے غریب قوموں کے معاشی استحصال کا موقع ملے گا!)

جن آئی جی موٹروے نے چیئرمین کی شکایت پر پٹرولنگ افسران کو سزا دی، وہ اب ایک ایسے ادارے کی سربراہی فرما رہے ہیں جو پولیس اصلاحات کا فریضہ سرانجام دے گا! (عمر چیمہ۔ دی نیوز: 25 اپریل 2018ء)

اصلاحات میں قانون شکنی کے مرتکب حکام بالا کے حفظ مراتب کے آداب سکھانے بھی یقیناً شامل ہوں گے۔ ضیاء اللہ کا انجام دکھانا عبرت پذیری کے لیے بھی نہایت اہم ہے۔ ہمارے ہاں ترقی کی منازل طے کرنے کا فارمولا چیئرمین ہائی وے، آئی جی صاحب سے سیکھا جا سکتا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات اور شریعت تو بہت ہی اعلیٰ وارفع ہے۔ درجِ بالا تماشے تو مغربی ممالک کے سیکولر ازم میں بھی ممکن نہیں۔ ہمارے ہاں سے ناز نخرے اٹھواتا قاتل ریمنڈ ڈیوس امریکہ پہنچ کر چھوٹے موٹے جرائم پر فوراً دھر لیا گیا۔ حالانکہ اس کے لیے براہِ راست اوباما اور ہیلری نے یہاں مداخلت کی تھی!

رہی بات شریعت کی تو چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ہمارے ہاں حکمران، مقتدر طبقے پر بجا طور پر اسلام کے نام سے ہی لرزہ طاری ہوتا ہے۔ امریکہ سے بڑھ کر یہ طبقہ اسلامی نظام کے راستے کا کوہِ گراں ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ شریعت عوام دوست، مساوات و عدل کی حکمرانی اور ظلم کی ہر شکل کو مٹا ڈالنے والی ہوتی ہے۔ انصاف آسان اور فوری حاصل کیا جاتا ہے۔ خلافتِ راشدہ اور عدل ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔ ہمہ نوع افسران بالا کڑے شفاف بلا امتیاز احتساب کی زد میں رہتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے لوگو! میں نے اپنے گورنروں کو تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ تمہاری چمڑی ادھیڑیں اور مال ہڑپ کر لیں۔ ان کو میں نے بھیجا ہے تاکہ تمہارے آپس کے مظالم کے درمیان حائل ہوں۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اپنے ایک فیصلے کے لیے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے (از راہِ احترام) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تکیہ پیش کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس پر ناراض ہوئے کہ بحیثیت قاضی ترجیحی سلوک ان سے کیوں کیا۔ فرمایا: ''اے زید رضی اللہ عنہ تم نے فیصلے کے آغاز ہی میں غلطی کر دی۔ مجھے میرے فریق کے ساتھ بٹھاؤ۔'' اور پھر وہ دونوں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سامنے برابر بیٹھ گئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط میں تاکید فرمائی: ''کمزور و غریب کو قریب رکھو تاکہ اس کی ہمت بندھے اور وہ اپنی بات کر سکے۔'' دیکھئے یہ سنہرے اصول۔ ایک ذیلی ادارے کا سربراہ نہیں..... عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ..... مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یکے از عشرہ مبشرہ، امیر المومنین..... ایک تکیہ بھر عدم مساوات اپنی ذات کے لیے برداشت نہیں کرتے۔ انصاف کے لیے کمزور و غریب کے لیے تاکید فرما رہے ہیں۔ یہاں اربوں میں کھیلنے والے غریب و بے نوا اہلکاروں اور عوام پر مبلغ ساڑھے بارہ سو روپے کے عوض بے روزگاری، فاقہ کشی مسلط کرتے اور نقیب اللہ جیسوں کے بے دردی سے خون بہا کر تحفظ و ترقی پاتے ہیں۔ وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو اس بنا پر قاضی مقرر کیا کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دیا۔ نہ صرف اس فیصلے پر سر جھکایا، قبول کیا بلکہ یہ فرما کر کہ فیصلہ اسی طرح دیا جاتا ہے۔ انہیں قاضی بنا دیا! یہاں پچھلا انعام بھی چھین لیا! محنت، دیانتداری کے عوض خون پسینے کا حق ڈیڑھ لاکھ بھی چھن گیا!

پچھلے دنوں عطاء الرحمٰن صاحب نے اپنے کالم کا عنوان لگایا: ''اگر قائداعظم زندہ ہوتے۔'' عنوان پڑھتے ہی بے ساختہ ردِعمل یہ تھا..... ''کہ فوراً وفات پا جاتے یا سکتہ طاری ہو جاتا!'' اخبارات میں اختیارات کا ہر سطح پر برستا کوڑا عجب گرد و غبار کی آندھیاں اٹھا رہا ہے۔ نہیں پتا چل رہا کہ حکومت کس کی ہے، اقتدار کن ہاتھوں میں ہے۔ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ ''کس میں ہمت ہے کہ مارشل لاء لگائے۔ 17 جج مارشل لاء لگنے نہ دیں گے۔'' بالکل بجا فرمایا۔ آپ نے ملک کو مارشل لاء سے مامون کر دیا۔ اب اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ انہیں کیا پڑی خوار

ہونے کی جب کام یوں نکل رہا ہے۔ ہینگ لگی نہ پھٹکڑی اور رنگ بھی چوکھا۔ صاحب انصاف (تحریک انصاف نہیں) کے پھریرے چہار جانب لہرا رہے ہیں۔ یہی کافی ہے۔ گوجرانوالہ کے ایک انتخابی امیدوار نے اپنے بینر میں بلاوجہ ہی حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا۔ بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی۔ موصوف نے اپنی تصویر کے ساتھ عمران خان، چیف جسٹس اور آرمی چیف کی تصاویر بھی لگا دیں۔ (نئی بات: 26 اپریل 2018ء) منظر نامہ واضح ہوگیا۔ لوگ بلاوجہ کنفیوز ہوئے پھر رہے تھے۔

اُدھر امریکہ کو ٹرمپی جمہوریت تو میسر ہے مگر ان کے ہاں آئے روز اندھا دھند فائرنگ کے واقعات نے سپر پاور کے چھکے چھڑا رکھے ہیں۔ ایک دن میں ملک بھر میں ایسے 74 واقعات میں 22 افراد ہلاک اور 54 زخمی ہوگئے۔ ہر سال اب ہزاروں افراد ایسے افراد کے ہاتھوں مر رہے ہیں۔ (جو ان کے لیڈر دنیا میں کر رہے ہیں، عوام بھی وہی کر رہے ہیں!)۔ مگر یہ قاتل، دہشت گرد نہیں کہلاتے۔ کیونکہ نہ تو یہ مسلمان ہوتے ہیں نہ ہی ان کی ڈاڑھیاں یا شرعی حلیے ہوتے ہیں۔ یہ صرف امریکی قاتل یا نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ ادھر اسرائیل میں 10،5 سال کے بچوں کو اسلحہ سکھانے اور جنگی شوق پیدا کرنے کی مہم جاری وساری ہے۔ (گریٹر اسرائیل، ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی تیاری دیکھئے!) ادھر مسلمان؟ سعودی عرب میں رنگا رنگ تفریحات پر مبنی پورا شہر (Entertainment City) بسانے کی تیاری ہے۔ بچہ بچہ، ہر ہر عورت ناچ گانے پر قادر ہوسکے۔ پاکستان میں بچوں کے لیے کھلونا پستول کی بھی ممانعت ہے۔ دہشت گردی پھلتی پھولتی ہے! تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی! اسرائیلی بچہ مجاہد فی سبیل الدجال بن کھڑا ہونے کو ہے۔ ادھر ہم ساری احادیث سے صرفِ نظر کیے، قرآن کی بڑی بڑی سورتوں کے اسباق بھلائے ایسے پُرعزم دشمنوں کے مقابلے میں امن کے راگ الاپتے بیانیے جاری کر رہے ہیں!

دکھ دینے والی خبروں کے بیچ کچھ بات ذائقہ بدلنے کو مغرب کے خوش باش دیوانوں کی بھی ہو جائے۔ برطانوی ارب پتی عورت نے اپنے ٹیڈی بیئر (کھلونا بھالو) کی شادی رچانے کو مصر کا مہنگا ترین ہوٹل بک کروایا۔ دنیا بھر سے مہمان اس لیے مصر آئے اور یوں لاکھوں ڈالر کے خرچ سے یہ شادی ہوئی۔ دلہا دلہن بنے ٹیڈی بیئروں کی تصویر جاری کی گئی۔ اپنی شادی کی راحت سے محروم، بدلتی پارٹنر شپ کے ہاتھوں بے زار اب شادی کی خوشیاں یوں سمیٹیں گی! یہ ہے معراج مغربی تہذیب میں آزادیٔ نسواں کی۔ کھانا گرم کرنے کے جھنجٹ سے آزاد! ہماری آزادی زدہ عورتوں کی طرح یہ بینر بھی انہیں اٹھا کر مارچ کرنے کی ضرورت نہیں: ''زہریلی مردانگی صحت کے لیے مضر ہے۔'' (مردانگی اب بھالو کی بھا گئی ہے۔) پُرسکون شوہر بیوی، بچوں سے مہکتے خاندانی نظام اجاڑ کر مال و دولت کھلونوں کی شادی میں لٹانے تک کا یہ سفر دلپذیر ہے؟ اے وائے بہارے اگر ایں است بہارے.....! لق ودق صحراؤں میں سرابوں کا سفر.....اسلام بیزاری کے ہاتھوں۔

☆☆☆

بقیہ: زمانہ گواہ ہے

ایوب بیگ مرزا: جمہوریت خود سرمایہ دارانہ نظام کی لے پالک ہے۔ اس پر سارا قبضہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے۔ لیکن ہم نے جمہوریت کی بھی بہت توہین کی ہے۔ اسے ذلیل وخوار کیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کے ذریعے کوئی نظام تو نہیں بدلا جاسکتا لیکن پاکستان میں تو جمہوریت کے ذریعے شاید بہتر حکومت بھی نہیں آسکتی۔ یعنی بہتر ہاتھوں کا آنا بھی آسان نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: ہمارے ہاں جو فرسودہ نظام چل رہا ہے جمہوریت اسی کو سپورٹ کر رہی ہے۔ اس سے کوئی نظام تبدیل نہیں ہوسکتا۔ نظام کسی انقلابی اقدام سے ہی تبدیل ہوگا۔ ہم تو اسی نظام کو برقرار رکھ رہے ہیں اور ایک کلاس اوپر آچکی ہے۔ ان کے خاندان میں اقتدار گردش کر رہا ہے۔ نظام تبدیل کیے بغیر اس ملک کے حالات سدھر نہیں سکتے۔

سوال: تنظیم اسلامی غیر سیاسی جماعت ہونے کے باوجود سیاست پر بات کرتی ہے۔ کیوں؟

خالد محمود عباسی: میں سمجھتا ہوں کہ تنظیم اسلامی ایک مکمل سیاسی جماعت ہے۔ کیونکہ جتنی گہری نظر ہمارے لوگوں کی سیاست پر ہے دوسروں کی مجھے نظر نہیں آتی۔ البتہ وہ انتخابات میں حصہ نہیں لیتی۔ کیونکہ اس وقت رائج انتخابی نظام میں سوائے بے عزتی کے کچھ نہیں ملتا۔ اگر میں انتخابات میں حصہ لوں تو مجھے وہ باتیں کرنی پڑیں گے جو میرا ضمیر نہیں مانتا۔ فرض کرو میں جیت جاتا ہوں لیکن پھر بھی میں اپنے من پسند فیصلے نہیں کر پاؤں گا۔ مجھے عوامی خواہشات کے آگے سرنڈر کرنا پڑے گا۔ یعنی مجھے اپنی سوچ اور خواہش پر پبلک کی خواہش کو ترجیح دینی ہوگی تب ہی میں پاپولر رہوں گا۔ اگر میں کوئی ایسے فیصلے کرلوں جو اصولی طور پر تو صحیح ہوں لیکن پبلک ڈیمانڈ کے خلاف ہوں تو میں اس دوڑ میں شریک ہی نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا جب تک اس نظام کی اصلاح نہیں ہوتی اور نئی اقدار کے اوپر معاشرے کی تعمیر نہیں ہوتی اس وقت تک عملی طور پر الیکشن میں حصہ لینا کسی بھی معقول، شریف اور عزتِ نفس والے آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ ❁❁❁

کتابچہ ''خلاصۂ تعلیمات قرآن'' کی مفت فراہمی

قرآنی تعلیمات کا خلاصہ جاننے اور ماہِ رمضان المبارک
کے دوران پیغام قرآن کو عام کرنے کے لیے
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ کا مرتب کردہ کتابچہ

''خلاصۂ تعلیمات قرآن''

درج ذیل پتہ پر مفت دستیاب ہے:

مکتبہ خدام القرآن (سیل پوائنٹ)

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن 3-042-35869501

نوٹ: بذریعہ ڈاک منگوانے کی صورت میں 10 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیجیں

”اسلامی یا اشتراکی نظام کی سیاست کا دور ختم ہو چکا ہے“

خورشید ندیم

دنیا اخبار میں شائع ہونے والا محترم خورشید ندیم کا یہ کالم جو ایک مخصوص ”روشن خیال“ طبقے کی نمائندگی کرتا ہے من وعن شائع کیا جا رہا ہے، سوائے اس کے کہ ایک جگہ پر ہم ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ لکھنے پر مجبور ہوئے۔ اگلے صفحات میں ادارے کی طرف سے ایک تحریر جواب آں غزل کے طور پر شائع کی جا رہی ہے

یہ لینن اور ماو کی امت کا نہیں، محمد عربی ﷺ کی امت کا ملک ہے۔ سرد جنگ کے دنوں میں، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ جملہ بہت مشہور ہوا اور زیرِ بحث بھی رہا۔ اس جملے سے اس نظریاتی کشمکش کا اندازہ ہوتا ہے جو 1960ء اور 1970ء کی دھائیوں میں اپنے عروج پر تھی۔ عالمی سطح پر تو یہ امریکہ اور سوویت یونین کی جنگ تھی جس میں ایک فریق سرمایہ داری اور دوسرا اشتراکیت کی نمائندگی کر رہا تھا لیکن مولانا مودودی جیسے لوگ ایک تیسرا نقطہ نظر پیش کر رہے تھے جو مذہبی تھا اور ان کی تعبیرِ اسلام سے پھوٹا تھا۔ مولانا کی تحریروں میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں پر تنقید ملتی ہے۔ یہ تیسرا نقطہ نظر عالمی سطح پر کوئی کردار ادا نہیں کر سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس قوتِ نافذہ نہیں تھی۔ یا یوں کہیے کہ کوئی خطہ زمین موجود نہیں تھا جو اس نظریے کے لیے ایک تجربہ گاہ ثابت ہوتا جس کی بنیاد پر اس کی عملی افادیت یا عدم افادیت کا فیصلہ کیا جاتا۔ اشتراکیت کی قسمت کا فیصلہ سوویت یونین کی تجربہ گاہ نے کر دیا۔ سرمایہ دارانہ نظام بقا کی اس جنگ میں سرخرو ہوا۔ آج بھی عالمِ انسانیت اسی کے رحم وکرم پر ہے۔ ایران اور افغانستان وغیرہ میں تیسرے نقطہ نظر کو موقع ملا لیکن وہ اپنی انفرادیت کا کوئی تاثر قائم نہیں کر سکا۔

یہ ساری بحثیں آج از کارِ رفتہ ہیں۔ دنیا میں اس وقت ایک ہی نظام نافذ ہے جو جوہری طور پر سرمایہ دارانہ ہے۔ اسے امرِ واقعہ کے طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں سے جو آگے بڑھنا چاہتا ہے، اس کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اسے اپنا لے۔ ملائیشیا، ترکی، پاکستان، چین اور اب سعودی عرب سمیت ہر ملک اسی نظام کو اپنا چکا۔ عملاً معاملے کی نوعیت یہ ہے کہ ماو اور لینن کی امت کے ساتھ تعامل پر، اب یہاں کسی کو اعتراض نہیں رہا۔ سی پیک اس کی شہادت ہے۔ ماو کی امت کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ آدم سمتھ کے دین پر ایمان لا چکی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ سرمایہ داری پر اس وقت عالمی سطح پر اجماع ہو چکا تو شاید اس سے اختلاف نہ کیا جا سکے۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ سرمایہ دارانہ نظام نے اپنی اساسات پر قائم رہتے ہوئے، لچک اور اغیار کے ساتھ تعامل (accommodation) کا غیر معمولی مظاہرہ کیا۔ اُسے اشتراکیت کا چیلنج درپیش ہوا تو اس نے فلاحی ریاست (welfare state) کے تصور کو قبول کر لیا۔ سرمائے نے اپنی بڑھوتی میں محنت کے کردار کو تسلیم کرتے ہوئے مزدور اور کارکن کی بقا اور امید کو اپنے نظامِ عمل کا حصہ بنا دیا۔ کم از کم اجرت کا تعین کیا۔ فلاحی ادارے قائم کیے۔ ٹیکسوں کے نفاذ میں عوامی نمائندگی کو یقینی بنایا۔ اس کے ساتھ ایک نظامِ اخلاق کی بھی پرورش کی جس نے ایک ایسے سیاسی نظام کو جنم دیا جو خود احتسابی پر مبنی تھا۔ اس نے معاشرے کو گڈ گورننس کا تحفہ دیا۔ جمہوریت نے اس نظام کو مستحکم بنیاد فراہم کی کیونکہ عوام کو یقین ہو گیا کہ وہ جن حکمرانوں سے ناخوش ہوں گے، انہیں ہٹانے پر بھی قادر ہوں گے۔

اسلام بطور نظام، سرمایہ داری کے لیے ایک چیلنج نہیں بنا لیکن بطور ایک فلسفہ حیات اس کی اہمیت سے انکار کسی کے لیے ممکن نہیں۔ جس تصورِ زندگی کے ساتھ ایک ارب سے زیادہ افراد وابستگی رکھتے ہوں، اس کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ایک مسلمان ذہن استحصال کی کسی صورت کو قبول نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ سود جیسے تصور سے وہ فطری عدم مناسبت رکھتا ہے جس کی اساس استحصال پر ہے۔ اس وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام نے کھلی منڈی کی جس معیشت کو جنم دیا، اس میں اُن تجربات کے لیے بھی امکانات پیدا ہو گئے جنہیں مارکیٹ قبول کرتی ہے۔

ان میں بلا سود بینکاری کا تجربہ بھی شامل تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے جب محسوس کیا کہ اس تصور کے تحت معاشی عمل کو فروغ دیا جا سکتا ہے تو اس نے بلا سود سرمایہ کاری اور بینکنگ کے لیے بھی گنجائش پیدا کر دی۔ دنیا بھر سے علماء کے ایک موثر گروہ کو اپنے نظام میں سمو لیا۔ آج سٹیٹ بینک کے ساتھ ساتھ، پاکستان کے تمام بینکوں کے ایڈوائزری بورڈز میں علماء موجود ہیں اور اس نظام کے حق میں فتاویٰ بھی۔ یہی نہیں، بلا سودی بینکاری کے جو تجربات مغرب بالخصوص برطانیہ میں ہوئے، وہ بھی کامیاب ثابت ہوئے۔ آج یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشتراکیت کے بعد، سرمایہ دارانہ نظام نے اسلام کے ان معاشی تصورات کے لیے بھی جگہ پیدا کر دی ہے جو کبھی سرمایہ داری کو چیلنج کر سکتے تھے۔

گزشتہ چالیس سال میں ہونے والی اس پیش رفت نے نظریاتی سیاست کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ آج اہلِ اسلام، چین یا روس کی امریکہ کے ساتھ کوئی نظریاتی لڑائی نہیں ہے۔ اگر ہماری امریکہ سے کوئی نظریاتی لڑائی ہوتی تو لازم تھا کہ یہی لڑائی چین، روس اور جرمنی وغیرہ کے ساتھ بھی ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب ممالک ایک ہی نظریاتی نظامِ معیشت پر عمل پیرا ہیں۔ چین کے سوا سب کا سیاسی نظام بھی ایک ہی ہے۔ امریکہ کے ساتھ تصادم کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک سامراج ہے۔ ہر سامراجی قوت دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے ہر وہ قوت اس کے مزاحم ہوتی ہے، وہ جس کی آزادی کو سلب کرنا چاہتا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں انگریز سامراج تھا۔ سوویت یونین بھی ایک سامراجی قوت تھی۔ آج امریکہ ہے۔ یہ طاقت کا کھیل ہے، اس میں نظریات کا کوئی دخل نہیں۔

سیاست میں، میرا کہنا یہ ہے کہ نظریات کا دور ختم ہو چکا۔ آج جب کوئی نظریاتی سیاست کی بات کرتا ہے تو اس کے پیش نظر اصولی سیاست ہوتی ہے۔ جیسے نواز شریف یا عمران خان اپنے آپ کو نظریاتی کہتے ہیں تو اس سے مراد کسی نظامِ فکر سے وابستگی نہیں ہوتا۔ وہ کہنا یہ چاہتے

کیا اسلامی نظام کی سیاست کا دور ختم ہو چکا ہے؟

(خورشید ندیم کے کالم "اسلامی یا اشتراکی نظام کی سیاست کا دور ختم ہو چکا ہے" کے جواب میں)

شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان

ہیں کہ ہم اصولوں کی سیاست کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں جب کچھ لوگ اسلامی نظام وغیرہ کی سیاست کرتے ہیں یا بعض لوگ اشتراکیت کو زندہ رکھنے کی بات کرتے ہیں تو یہ انسان کے تہذیبی قافلے سے بچھڑے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) انہیں اندازہ ہی نہیں کہ انسان کب کا ان مراحل سے گزر چکا۔ پاکستان جیسے نیم خواندہ معاشرے میں ان کی تھوڑی بہت پذیرائی باقی ہے لیکن یہ بھی اب دنوں کا معاملہ ہے۔ جی کا جانا ٹھہر گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اساسی خرابیاں باقی ہیں۔ ان اساسات کے سلامت رہنے سے مراعات یافتہ اور غیر مراعات یافتہ طبقات کا فرق ختم نہیں ہوسکتا۔ اس فرق کو کوئی معاشی نظام نہیں بلکہ ایک مضبوط نظامِ اقدار ہی کم کر سکتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اس وقت تین اساسات پر کھڑا ہے۔ سرمایہ کی مرکزیت، محنت کی شراکت کا جزوی اعتراف اور ایک نظامِ اخلاق جو غیر الہامی ہے۔ اگر اس نظامِ اخلاق کو ایک الہامی نظامِ اقدار سے بدل دیا جائے تو ارتکازِ زر کو لگام دی جاسکتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کا اصل المیہ ہے۔

یہ نظامِ اخلاق صرف الہامی ہوسکتا جو عمل کی اساس خدا کے سامنے جواب دہی کو قرار دیتا ہے۔ یہ انسان کو ایک ایسی تجارت کی طرف متوجہ کرتا ہے جس میں سرمایہ کم از کم سات سو گنا بڑھتا ہے اور یہ بڑھوتی یقینی ہے۔ یہ بچت کے بجائے خرچ (انفاق) کو بطور قدر مستحکم کرتا ہے۔ یہ نفع و نقصان کا پیمانہ بدل دیتا ہے۔ آج مسلمانوں کے سامنے چیلنج کسی متبادل سیاسی یا معاشی نظام کی تشکیل نہیں، ایک نظامِ اقدار کی فراہمی ہے۔ سرمایہ اپنے راستے کا خود انتخاب کرتا ہے۔ یہ بقا کے فطری اصولوں کے مطابق ہے۔ ہمارا کام اس راستے کو غیر اخلاقی کانٹوں سے پاک کرنا ہے۔

(پسِ تحریر: ناقابلِ یقین جرات اور استقامت رکھنے والی عاصمہ جہانگیر کا انتقال، بلاشبہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ انسانی حقوق اور جمہوریت کے لیے ایسی توانا آواز، اس ملک میں کبھی نہیں سنی گئی۔ یہ وہی تھیں جنہوں نے اس سماج میں انسانی حقوق کے تصور کو مستحکم کیا۔ عورت تو کیا، ان کا متبادل کوئی مرد بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے (بشکریہ دنیا)

❁❁❁

دنیا میں جتنے بھی نظام ہائے زندگی ہیں وہ بنیادی طور پر دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو انسانوں نے خود بنائے ہیں اور ایک نظام وہ ہے جو اللہ نے بنایا ہے۔ انسانوں کا بنایا ہوا کوئی بھی نظام نہ تو ہر لحاظ سے مکمل ہوسکتا ہے اور نہ ہی ہر سطح پر عدل و انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ اگر نظام عورت بنائے گی تو وہ مرد کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کر پائے گی اور اگر مرد کوئی نظام بنائے گا تو عورت کا کہیں نہ کہیں استحصال ہوگا۔ اسی طرح سرمایہ دار اگر نظام بنائے گا تو عام آدمی کا استحصال ہو گا۔ اگر بالفرض مزدور کو نظام بنانے کا اختیار مل جائے تو وہ سرمایہ دار کا استحصال کرے گا۔ بقول اقبال ؎

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

غرض کوئی بھی ایک طبقہ اگر کوئی نظام بنائے گا تو وہ دوسروں کا کہیں نہ کہیں حق ضرور مارے گا۔ مکمل طور پر تمام انسانوں کو اگر کوئی نظام عدل و انصاف کی فراہمی یقینی بنا سکتا ہے تو وہ صرف وہ نظام ہے جو اس کائنات اور تمام مخلوقات کے خالق و مالک کا عطا کردہ ہے اور اسے قائم کر کے دکھایا محمد رسول اللہ ﷺ نے، جن کے اسی مشن کا اعلان قرآن حکیم میں تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ یعنی ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اس کو پورے نظامِ زندگی پر اور خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو!'' (الصف:9)

دین حق سے مراد اسلام کا پورا نظام ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں یعنی نظام معاشرت، نظام معیشت، نظام سیاست و حکومت اور نظام عدل و انصاف، سب پر محیط ہے۔ یہ نہ صرف ہر لحاظ سے مکمل ہے بلکہ تا قیامت انسانوں کے لیے یہی نظام اس کائنات کے خالق نے تجویز کیا ہے۔ واضح رہے کہ اللہ کی طرف سے اعلانِ تکمیل دین اور اعلانِ ختم نبوت کا منطقی تقاضا بھی یہی تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس نظام کو عملی طور پر قائم کر کے دکھا بھی دیا اور آپؐ کے بعد خلافت راشدہ کا دور اس کی عمدہ مثال اور عملی مظہر ہے۔ اس نظام کی خوبیوں اور ثمرات کو دیکھ کر چند سالوں کے اندر اندر کروڑوں لوگ مشرف با اسلام ہو گئے۔ عدل و انصاف، کامل امن و امان بنیادی انسانی ضروریات کی ریاستی سطح پر فراہمی کا انتظام، احترام آدمیت کے اصول پر مبنی معاشرت، شہنشاہیت کی بجائے ''سید القوم خادمھم'' کے عملی مظاہر اتنے متاثر کن تھے کہ دور خلافت راشدہ کے دوران مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں کے عوام نہ صرف یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان ہو گئے بلکہ ان مفتوحہ علاقوں کے عوام نے اپنی مادری زبانوں کو چھوڑ کر مکمل طور پر رحمۃ للعالمین ﷺ کی زبان یعنی عربی کو اپنی مادری زبان کا درجہ دے دیا۔ جب تک یہ نظام اپنی اصل حالت میں قائم و نافذ رہا تو نہ صرف انسانیت اس کے فطری ثمرات سے مستفید ہوئی بلکہ اس نظام نے انسانوں کو اخلاق و کردار کی بلندیوں پر پہنچا کر حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات کا نمونہ بنا دیا۔ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ وہ معاشرہ جو قبائل میں بٹا ہوا تھا اور ان قبائل کے مابین صدیوں سے جاری لڑائیاں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، اب ایک ایسا مثالی معاشرہ بن چکا تھا جس کی تقلید پوری دنیا کے انسان کر رہے تھے۔ معاشی لحاظ سے دنیا کی تاریخ میں پہلی بار ایسا سدھار آیا کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا اور اخلاقی سدھار ایسا کہ اکیلی عورت ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرے اور کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ معاشی لحاظ سے اور معاشرتی لحاظ سے درج بالا دی گئی ایسی مثالیں ہیں کہ آج جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اپنے عروج پر ہے ان دونوں شعبہ ہائے زندگی میں اس ہدف سے کوسوں دور ہے۔

اسلام کے اس مثالی، فطری اور آفاقی نظام کو قائم، غالب و نافذ کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد آپؐ کے ہر امتی پر عائد ہوتی ہے۔ مگر انتہائی افسوس اور بدقسمتی کی بات ہے کہ نہ صرف آج کا مسلمان اپنی اس اصل اور بنیادی ذمہ داری کو بھول چکا ہے بلکہ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اسلام

فقط ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات یعنی نظام ہے۔اس پر ستم یہ کہ آج مسلمانوں کی صفوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی موجود ہے جو بطور نظام اسلام کو قبول کرنا ہی نہیں چاہتی۔ان کا خیال ہے کہ مذہب کو صرف ذاتی عقائد و عبادات تک محدود رہنا چاہیے، ریاست و سیاست کے معاملات میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔چنانچہ ایسے لوگ مغرب کے سیکولر و لبرل ایجنڈے کے تحت دانستہ و غیر دانستہ طور پر اسلام کو بطور نظام ناکام ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ جاننا ازحد ضروری ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود ایسے لوگ آخر اسلام دشمن قوتوں کی جنگ کیوں لڑ رہے ہیں، کیوں اسلام کے خلاف کفر کی جنگ کے سپاہی بنے ہوئے ہیں۔یہ سمجھنے کے لیے ہمیں اس وارفیئر کے بیک گراؤنڈ میں جھانک کر دیکھنا ہوگا۔ایک وقت وہ تھا جب یورپ نے مسلمانوں کے خلاف دو صدیوں تک صلیبی جنگیں لڑیں۔اپنی پوری طاقت اور تمام وسائل صرف کر ڈالے۔یہاں تک کہ معصوم بچوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں جھونک کر دیکھا۔مگر سوائے ناکامی اور ذلت کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔آخر تھک ہار کر مغرب نے ایک نئی راہ اختیار کی اور وہ راہ تھی استشراق (orientalism)۔مستشرقین کی اس تحریک کا بنیادی مقصد عالم اسلام میں ایسے لوگ پیدا کرنا تھا جو عالم اسلام پر مغربی غلبہ کا راستہ ہموار کر سکیں۔انہی لوگوں کے ذریعے عالم اسلام کے مضبوط قلعہ میں دراڑیں ڈال کر پہلے ایران و عرب کی تقسیم عمل میں لائی گئی اور بعدازاں عرب و ترک قومیت کے بکھیڑوں میں ڈال کر مسلم اُمہ کے حصے بخرے کیے گئے۔پھر انہی لوگوں نے عالم اسلام پر مغربی استعمار کا راستہ ہموار کیا اور یہی لوگ ہیں جو آزادی کے بعد بھی مغرب کی بالادستی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اس کے ترجمان اور مددگار بنے ہوئے ہیں۔ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ اسلام، اسلامی تاریخ و اسلاف اور اسلامی نظام پر خوب تنقید کی جائے اور اس کے مقابلے میں مغربی تہذیب، کلچر اور سرمایہ دارانہ نظام کو اس قدر برتر و اہم ثابت کیا جائے کہ لوگ اسے موجودہ دور کی ضرورت سمجھنے لگیں۔موجودہ ففتھ جنریشن وارفیئر میں اس مکروہ کام میں مزید تیزی آ چکی ہے۔اخبارات، ٹی وی چینلز، نیوز پروگرام، سوشل میڈیا اور نام نہاد صحافی، ادیب، دانشور اور عالم دین اس جنریشن وارفیئر کے سپاہی ہیں اور پروپیگنڈا اور ڈس انفارمیشن اس کے سب سے بڑے ہتھیار ہیں۔اسلام کے خلاف اس جنگ کے ایسے ہی ایک سپاہی کے قلم سے ''اسلامی یا اشتراکی نظام کی سیاست کا دور ختم ہو چکا ہے'' کے عنوان سے جو موشگافیاں جھڑیں ان سے ففتھ جنریشن وارفیئر کے چہرے کا نقاب مکمل طور پر اُلٹ چکا ہے۔

کالم کے عنوان سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صاحبِ تحریر کا مدعا کیا ہے۔اشتراکی نظام کی سیاست بھلے ختم ہو چکی ہو لیکن کیا اسلامی نظام کی سیاست ختم ہو چکی ہے؟ چند سال پہلے ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں ایک حکومت قائم ہوئی جو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بننے جا رہی تھی لیکن جبر کی عالمی قوتوں نے اپنے نظام کے لیے اسے خطرہ سمجھتے ہوئے طاقت سے اس کی مرکزیت کو ختم کر دیا لیکن اللہ کے دین کے وفاداروں نے ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود اللہ کی نصرت کے بھروسے پر عزیمت کی ایک مثالی داستان رقم کی ہے اور بحیثیت مجموعی عالمی قوتوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔یہ دجالی قوتیں آج بھی کوشش کر رہی ہیں کہ افغان طالبان کا دائرہ کار سمٹ کر مذاکرات کی میز تک محدود ہو جائے اور وہ بھی افغانستان پر زبردستی مسلط کیے گئے سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ بن جائیں۔مگر دنیا دیکھ بھی رہی ہے اور تسلیم بھی کر رہی ہے کہ نہتے افغان طالبان کی سیاست نہ صرف زندہ ہے بلکہ مزید پھل پھول بھی رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کا اثر و رسوخ اور کنٹرول اب ان علاقوں میں بھی مضبوط ہو رہا ہے جہاں ان کے دور حکومت میں بھی نہیں تھا۔

موصوف کتنی خوبصورتی سے اسلامی نظام کی پوری سنہری تاریخ کو ''تیسرے نقطۂ نظر'' کی اصطلاح کے پیچھے چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔جیسے اسلامی نظام کا تصور پہلی بار مولانا مودودی جیسے لوگوں کی تعبیر اسلام سے پھوٹا ہو اس سے پہلے اسلامی نظام کا وجود کبھی تھا ہی نہیں۔اس کا صاف مطلب جانتے بوجھتے اسلامی نظام کے حوالے سے عوام کو گمراہ کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ففتھ جنریشن وارفیئر کا اصل ہتھکنڈا یہی ہے کہ پہلے ڈس انفارمیشن پھیلاؤ اور پھر اس بنیاد پر اسلام کے خلاف خوب خوب پروپیگنڈا کرو۔موصوف بھی یہی کر رہے ہیں۔جب آپ اسلامی نظام کو 60ء کی دہائی کے بعد کا نقطۂ نظر قرار دیں گے تو پھر اس کا عالمی سطح پر کوئی کردار کیسے نظر آئے گا اور وہ بھی اس صورت میں کہ جہاں اسلامی نظام کو موقع ملا تھا تو وہ زبردستی چھین لیا گیا۔الجزائر میں جمہوری طریقے سے اسلامی نظام کے قیام کی کوشش ہوئی لیکن اپنے ہی اصولوں کی مٹی پلید کرتے ہوئے فوجی آمروں کے ذریعے اس کے راستے میں رکاوٹ ڈال دی گئی۔اسی طرح ماضی قریب میں اخوان المسلمین کو مصر میں جمہوری ذریعہ سے کامیابی ہوئی، یعنی اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہوئی تو ایک بار پھر عالمی استبدادی قوتوں نے مصری فوج کے ذریعے بھرپور جبر و تشدد سے اسلامی نظام کے قیام کا راستہ روک دیا۔کیا یہ حقائق خورشید ندیم صاحب کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں یا وہ ڈھٹائی کے ساتھ ان روشن حقائق کو جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔سوال یہ ہے کہ یہ جبر و تشدد کب تک چلے گا۔بالآخر حق اپنا راستہ بنائے گا۔یہ عارضی رکاوٹیں ہیں۔انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جبر ہمیشہ انجام بد سے دوچار ہوا۔رہا یہ سوال کہ اس اعلیٰ و ارفع نظام کے دنیا میں نفاذ کے حوالے سے صورت حال کیا ہے تو گزارش یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جو امریکہ اور یورپ کی دین ہے۔امریکہ کو سپر قوت بنے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور یورپ دنیا میں صنعتی انقلاب کے بعد غالب قوت بنا تب سے یہ نظام رائج ہے۔ہم ماضی بعید میں نہیں جاتے۔گذشتہ پندرہ سو سال میں سات سو سال سے زائد عرصہ تک اسلام عالمی سطح پر ایک غالب قوت رہی اور اسلام کا ''نظام'' سکہ رائج الوقت رہا۔بعدازاں مسلمانوں کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود بھی یہ نظام 1924ء تک دنیا میں قائم رہا۔مسلمانوں نے اپنی راہ سے انحراف کیا تو انہیں سزا تو ملنا تھی۔یہ وہ سزا کا وقت ہے جو ہم کاٹ رہے ہیں۔بہرحال اگر بحری قزاق کسی جہاز پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں اپنا طریقہ کار نافذ کریں تو کیا اس کو تسلیم کر لینا چاہیے؟ یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ اسلامی نظام افغانستان میں انفرادیت کا کوئی تاثر قائم نہیں کر سکا۔اس دعویٰ کے رد میں مرحوم جسٹس جاوید اقبال (پسر اقبال) جن کا تعلق خود موصوف کے مکتب فکر سے تھا کے وہ تاریخی الفاظ کافی ہیں جو انہوں نے افغان طالبان کے دور حکومت میں افغانستان کا دورہ کرنے کے بعد واپس آ کر کہے تھے کہ:

''اگر اس طرح کا نظام ایک دو اور اسلامی ممالک میں قائم ہو جائے تو پوری دنیا مسلمان ہو جائے۔'' ایک غیر مسلم خاتون صحافی Yvonne Ridley جو مغربی پروپیگنڈے کے زیر اثر اس نظام کی خامیاں دنیا کو دکھانے آئی تھی لیکن نہ صرف اس نے اس سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا بلکہ واپس جا کر خود اپنی زبان سے اس نظام کی انفرادیت کے تاثرات بیان کیے۔اور پھر یہ بھی اس نظام کی انفرادیت ہی ہے کہ اس کے باوجود کہ تمام عالمی طاقتیں ہر طرح سے افغان طالبان کا راستہ روکنے میں سرگرم ہیں، افغان طالبان کا اثر و رسوخ ان علاقوں میں بھی بڑھ رہا ہے جہاں پہلے نہیں تھا۔

ایک دنیا آج بھی سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف مزاحمت کر رہی ہے۔خود مغرب اور امریکہ میں occupy wall street جیسے مظاہرے یہ ثابت کرتے ہیں کہ

سرمایہ دارانہ نظام کوعوام میں قبول نہیں کیا جارہا بلکہ اس پر ایک مخصوص طبقے کی ہی اجارہ داری ہے۔ اور پھر خود عالمی طاقتیں افغان طالبان کے پیچھے ہاتھ جوڑے پھر رہی ہیں کہ مذاکرات کی میز پر آجاؤ۔ ان کو مذاکرات کی دعوت دینا خود یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نے ان افغان طالبان کو مدمقابل طاقت کے طور پر تسلیم کرلیا ہے جو ایک مخالف نظام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ گویا آپ نے خود تسلیم کرلیا ہے کہ دنیا میں ایک اور نظام کے ماننے والے لوگ بھی ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کو کسی صورت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو پھر سرمایہ دارانہ نظام پر دنیا کا اجماع کیسے ہوگیا؟ دوسری بات یہ کہ اگر اشرف غنی آپ سے اتفاق کر چکا ہے تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل سکتا ہے کہ پورا افغانستان آپ کے مسلط کردہ نظام کو امر واقعہ کے طور پر قبول کر چکا ہے؟ یہی معاملہ پاکستان، ترکی، ملائشیا اور سعودی عرب کا بھی ہے۔ وہاں بھی ایسی قوتیں موجود ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کو قبول نہیں کر رہیں۔ کل امریکہ افغانستان سے چلا جائے تو اشرف غنی کی حیثیت ختم ہو جائے گی اور مدمقابل قوت غالب آجائے گی۔ ایسا دوسرے ممالک میں بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ آج کا بدترین پروپیگنڈا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو امر واقعہ کے طور پر قبول کرلیا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام نے اغیار کے ساتھ جس لچک اور تعامل کا ''غیر معمولی مظاہرہ'' کیا اس کی جھلک دنیا نے ناگاساکی اور ہیروشیما میں دیکھ لی اور فاضل کالم نگار کے مغربی امام اس ''لچک'' کو جس شان سے بیان کرتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

The ruins of the Reich chancellory as well as the atomic bombs dropped on Hiroshima and Nagasaki killed this ideology on the level of consciousness as well as materially, and all of the proto-fascist movements spawned by the German and Japanese examples like the Pernist movement in Argentina or Subhas Chandra Boses Indian National Army withered after the war. (Fukuyama, The End of History, 1989,10)

یہاں کالم نگار کے مغربی امام خود بتا رہے ہیں کہ ہم نے مخالف نظریات رکھنے والی تحریکوں کو کیسے کچلا۔ مصر، افغانستان، ویت نام، عراق، لیبیا اور شام میں جو کچھ کیا گیا وہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ لیکن کالم نگار کا دعویٰ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام نے لچک اور تعامل کا مظاہرہ کیا۔ کچھ ایسی ہی حقیقت سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے کالم نگار کے دیگر دعوؤں کی بھی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فلاحی ریاست کا تصور آج سے 1400 سال پہلے اسلام نے دیا، مزدوروں کے ساتھ جس حسن سلوک کی بنیاد تب اسلام نے ڈالی تھی سرمایہ دارانہ نظام میں آج بھی اس کا تصور نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات تو یہ تھیں کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کی جائے اور جو خود کھائیں وہ مزدور کو بھی کھلائیں اور جو خود پہنیں وہ مزدور کو بھی پہنائیں۔ کیا ایسے حسن سلوک کی سرمایہ دارانہ نظام میں توقع کی جا سکتی ہے؟ اسی طرح یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور معذوروں کی فلاح و بہبود کا نظام سب سے پہلے اسلام نے دیا۔ زکوٰۃ وعشر کے نظام کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ انفاق کے حوالے سے لوگوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا۔ گڈ گورننس اور حکومت میں مشاورت کا بہتر عملی نمونہ اسلام نے پیش کیا۔ خود احتسابی کا ایسا اخلاقی نظام دیا کہ خلیفۂ وقت کو خوف رہتا کہ ''اگر دریا کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مرگیا تو اس کی پوچھ خلیفہ سے ہوگی''۔ خود احتسابی کا یہی اخلاقی نظام خلیفۂ وقت کو رات کو گشت کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اسلامی نظام فطری نظام ہے جس کے راستے میں عارضی رکاوٹ آسکتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میڈیا کی مدد سے انسانی ذہن پر فکری اور نظریاتی ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ ڈاکہ زنی صرف وقتی طور پر نفع بخش ہوسکتی ہے، بالآخر حق کے شکنجے میں آئے گی اور باطل پاش پاش ہوجائے گا۔ فاضل کالم نگار نے جہاں اسلامی نظام کو بیسویں صدی کا نقطۂ نظر قرار دے کر اسلام کی پوری سنہری تاریخ کا انکار کر ڈالا وہاں انہوں نے یہ دعویٰ بھی کر ڈالا کہ مزدوروں کے حقوق، فلاحی ادارے، گڈ گورننس کا تصور اور خود احتسابی کا اخلاقی نظام سرمایہ دارانہ نظام نے دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے انسانوں کو جو حقوق دیے تھے سرمایہ دارانہ نظام نے وہ بھی چھین لیے۔ ہر سال یکم مئی کو مزدوروں کا جو دن منایا جاتا ہے وہ اسی استحصال کی یاد دلاتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت شروع ہوا۔ یہ استحصال آج بھی جاری ہے۔ آزادی، حقوق، جمہوریت یہ وہ خوشنما نعرے ہیں جن کی آڑ میں سرمایہ دارانہ نظام اپنا کریہہ چہرہ چھپاتا ہے۔ اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تھا لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے اس کا لہو، غیرت، حمیت نچوڑ کر حیوان نما مشین بنا دیا۔ وہ عام انسان کو بس اتنی توانائی فراہم کرتا ہے کہ وہ اس نظام کو کندھا دے سکے۔ اس نے انسانوں کے جذبات، احساسات، خواہشات اور خیالات تک کو سرمائے کی مٹھی میں قید کرلیا۔ اسلام نے عورت کو ایک مقام اور مرتبہ عطا کیا تھا مگر سرمایہ دارانہ نظام نے عورت کو انسانی درجہ سے بھی گرا کر مارکیٹ commodity بنا دیا۔ یہاں تک کہ معصوم بچوں کی زندگیوں کے ساتھ درندگی اور وحشت کا وہ مکروہ کھیل کھیلا جانے لگا جس کی مانگ سرمایہ داری نے ڈارک ویب میں کی۔ ان تمام درندگیوں، وحشتوں، ہولناکیوں اور سفاکیوں کے باوجود سرمایہ دارانہ نظام کے حاشیہ برداروں کا وطیرہ ہے کہ وہ پروپیگنڈا اور ڈس انفارمیشن کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر انسانوں کی ذہن سازی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ اس کو ذہنی طور پر قبول کرلیں۔ کالم نگار صاحب کی اس ساری جسارت کا مقصد بھی اتنا ہی ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے متبادل کے طور پر سرمایہ دارانہ نظام کو قبول کرلینا چاہیے۔ اسی لیے اس کو قابل قبول بنانے کے لیے جہاں ایک بار پھر وہ حقیقت سے دور بیانیہ کا سہارا لے رہے ہیں کہ ''اسلام بطور نظام، سرمایہ داری کے لیے ایک چیلنج نہیں بنا'' وہیں وہ ایک اور فریب پر مبنی بیانیہ کا بھی سہارا لے رہے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام نے بلاسود بینکاری کو جنم دیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کھلی منڈی اور بلاسود بینکاری کا آج بھی کوئی وجود نہیں ہے۔ بینکاری چاہے بین الاقوامی ہو یا قومی، اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہر ایک میں کم سے کم ریٹ ضرور لگتا ہے۔ جسے بین الاقوامی سطح پر LIBOR (لندن انٹر بینک آفیشل ریٹ) کہتے ہیں اور پاکستان میں اسے KIBOR (کراچی انٹر بینک آفیشل ریٹ) کہتے ہیں۔ کوئی بھی بینکنگ ٹرانزیکشن (چاہے اسلامی ہو یا غیر اسلامی) آج کے دور میں اس ریٹ سے مستثنیٰ نہیں۔ ثابت ہوا کہ جب سرمایہ دارانہ نظام میں بلاسود بینکاری کا وجود ہے ہی نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اسلام آج بھی سرمایہ دارانہ نظام کے لیے چیلنج ہے اور اگر یہ چیلنج نہ ہوتا تو آج اسلامی تحریکوں کے خلاف مغرب کی جنگ برپا نہ ہوتی۔ لیکن کالم نگار اپنے دعویٰ میں ایک بار پھر غلط ثابت ہوجانے کی وجہ سے ان جنگوں کو کوئی اور رنگ دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ دراصل وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں عالم اسلام کی اب سرمایہ دارانہ نظام سے کوئی جنگ نہیں رہی، یہ جنگ دراصل امریکہ کے خلاف ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ جو طاقتیں اس وقت مسلمانوں پر جنگ مسلط کیے ہوئے ہیں وہ کیا کہتی ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ نائن الیون کے بعد جارج ڈبلیو بش نے خود اس جنگ کے لیے war on terror اور crusade کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ اسی طرح گریٹر اسرائیل کا منصوبہ اور اسرائیل کی عالم اسلام کے خلاف جنگ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں اسرائیل کا نام Jewish National State ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ

Calls for Arms Embargo against Israel:

Jewish State Atrocities in Gaza

Views from Abroad

The United Nations has imposed arms embargoes within the sanctions regimes of:

- Sudan for 'Those who impede the peace process, constitute a threat to stability in Darfur and the region, commit violations of international humanitarian or human rights law or other atrocities"
- Congo for "Engaging in or providing support for acts that undermine the peace, stability or security of the DRC", such as "planning, directing, or committing acts in the DRC that constitute human rights violations or abuses or violations of international humanitarian law, as applicable, including those acts involving the targeting of civilians, including killing and maiming, rape and other sexual violence, abduction, forced displacement, and attacks on schools and hospitals'
- Libya for "Individuals and entities involved in or complicit in ordering, controlling, or otherwise directing, the commission of serious human rights abuses against persons in Libya, including by being involved in or complicit in planning, commanding, ordering or conducting attacks, in violation of international law, including aerial bombardments, on civilian populations and facilities'

(Ref: UN Sanctions)

All the above criteria for sanctions (and more) apply to the Jewish state's military occupation and control of Palestinian lives over the past 70 years and apply to its blatant belligerence during the past month against Gaza's unarmed protesters that has culminated, to date, in at least 65 martyrs and over 6000 injuries that began with the Good Friday massacre.

The killings and maiming are indisputable evidence of the violation of International Law and International Humanitarian Law (IHL) which prohibits under Rule 70.

> ***"The use of means and methods of warfare which are of a nature to cause superfluous injury or unnecessary suffering".***

100 Jewish snipers were ordered to shoot unarmed civilians with semi-jacket bullets which are variously called dumdum, hollow-point, expanding bullet, explosive, soft-point, soft-nosed, that inflict horrific Grade 3 wounds as on contact, the bullet splays out talons massive internal tissue damage,

"Half of the more than 500 patients we have admitted in our clinics have injuries where the bullet has literally destroyed tissue after having pulverized the bone. These patients will need to have very complex surgical operations and most of them will have disabilities for life."

(Ref: Marie-Elisabeth Ingres, Medecins Sans Frontieres's head of mission in Palestine.)

These high velocity bullets 'are prohibited under a number of treaties' for causing 'superfluous injury or unnecessary suffering'.

That the Jewish state uses Gaza to field test new weapons has been well documented and today in Gaza doctors have also remarked on a new tear gas, not gray but green in colour, that causes severe spasms and 'cramps, vomiting and stress, severe cough and a faster heartbeat, because the gas is unknown and the health complaints are also unknown, the use of this gas is very dangerous and one does not know what more damage the gas can cause to the body. Of course testing weapons on civilians is a war crime and yet Israeli armament companies boast that their weaponry is field-tested which boosts sales to morally shoddy western governments.

Speaking of sanctions, take the UK for example; it was hot to screech for sanctions against Russia after the magically non-lethal unproven 'nerve agent' attack in Salisbury but has not

اس کی عالمِ اسلام کے خلاف جنگ نظریاتی ہے۔اسی طرح کالم نگار کا دوسرا دعویٰ بھی غلط ہے کہ اب نظریاتی سیاست کا دور ختم ہو چکا۔ دراصل وہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلامی سیاست کا دور ختم ہو چکا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کتنی ہی جماعتیں ہیں جو اسلامی سیاست کر رہی ہیں۔ دنیا افغانستان میں افغان طالبان کی سیاسی حیثیت کو تسلیم کر چکی ہے۔ہم کالم نگار صاحب سے پوچھتے ہیں کہ افغان طالبان کی سیاست اگر نظریاتی نہیں ہے تو پھر وہ امریکہ کی خواہش کے مطابق حکومتی سیٹ اپ کا حصہ کیوں نہیں بن جاتے۔ جبکہ امریکہ ان سے اسی لیے مذاکرت کرنا چاہ رہا ہے اور اس صورت میں یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ امریکہ کی ان کے خلاف جنگ نظریاتی ہے۔

اس ساری بحث سے محترم قارئین خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اللہ کا دیا ہوا نظام انسانیت کے لیے مفید ہے یا پھر سرمایہ دارانہ نظام۔ لیکن اس کے باوجود فاضل کالم نگار دعوت دے رہے ہیں کہ مسلمان اسلامی نظام کو بھول جائیں اور سرمایہ دارانہ نظام کو ہی اپنی اخلاقی و روحانی اقدار سے سدھار کر بطور نظام اپنا لیں ۔ کیا ایک ایسا نظام جس کی بنیاد ہی سود اور استحصال پر ہے اور جیسا کہ ثابت شدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں سود کو ختم کیا ہی نہیں جا سکتا اور نہ سود کے بغیر سرمایہ داری چل سکتی ہے اور کالم نگار صاحب خود تسلیم کر چکے ہیں کہ اس صورت میں اسلام کے معاشی تصورات سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں یہ ممکن ہے جس کا خواب فاضل کالم نگار خود بھی دیکھ رہے ہیں اور دوسروں کو دکھانا چاہتے ہیں؟ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر وہ خود فیصلہ کر لیں کہ تہذیبی قافلے سے بچھڑے ہوئے لوگ کون ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ففتھ جنریشن وارفیئر کی بنیاد ہی فریب، مکر اور جعل سازی پر ہے جس طرح خود سرمایہ دارانہ نظام دجل کی سب سے بڑی علامت ہے کہ ظاہر میں کچھ ہے اور باطن میں کچھ۔ اور اس کے کریہہ باطن کو خوشنما بنانے کے لیے ہی یہ جنگ شروع کی گئی ہے۔ لیکن بحیثیت مسلمان ہمیں سوچنا ہوگا کہ کیا اسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے لوگ ہونے چاہیں جو باطل کے حامی ہوں اور دجل پر مبنی نظام سے مرعوب ہوں، اُسی کا پرچار کریں اور اس کے سپاہی بنیں؟ حالانکہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی بنیاد ہی اس اصول پر رکھی گئی تھی کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کو متعارف کروایا جائے۔ کیا ایسے ادارے میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو ملک و قوم کو اسلام کی بجائے باطل کی طرف لے کر جائیں؟ ہمارے نزدیک ایسے افراد کی اسلامی نظریاتی کونسل جیسے اہم ادارے میں موجودگی قوم، ملت اور دین و ایمان کے لیے خطرے کی علامت ہے۔ ❁❁❁

انا للہ وانا الیہ راجعون — دعائے مغفرت

☆ حلقہ پنجاب شرقی، ہارون آباد غربی کے ملتزم رفیق جناب غلام رسول کی والدہ وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت: 0333-6310878

☆ ملتان کینٹ کے مبتدی رفیق جناب طیب علی کے والد وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0331-7060495

☆ حلقہ پنجاب شرقی، مروٹ کے ملتزم رفیق جناب نذیر احمد کے والد وفات پا گئے
برائے تعزیت: 0306-6322327

☆ حلقہ جنوبی پنجاب اسرہ غازی پور کے مبتدی رفیق جناب ڈاکٹر ابوالحسن فاروقی کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔ برائے تعزیت: 0333-6323210

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے۔
قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

condemned the ongoing real massacre of unarmed protesters in Gaza and has, furthermore sold to Israel, according to Middle East Eye, $445 million of arms, including spare parts for sniper rifles' since Israel's 2014-war-crimes-war on Gazan families despite the UK having ratified the UN Arms Trade Treaty (ATT) on 2nd April 2014.

Article 6 of the ATT provides a solid legal structure and obligations for arms embargoes,

> Article 6: 3. A State Party shall not authorize any transfer of conventional arms covered under Article 2 (1) or of items covered under Article 3 or Article 4, if it has knowledge at the time of authorization that the arms or items would be used in the commission of genocide, crimes against humanity, grave breaches of the Geneva Conventions of 1949, attacks directed against civilian objects or civilians protected as such, or other war crimes as defined by international agreements to which it is a Party.

To date, 94 countries have ratified the ATT. We can demand that our governments honour their obligations and end arms trade with Israel and lobby our governments to support a UN arms embargo. It is the least we can do.

ATT campaigns will erase any sense of bystander helplessness in the face of the Jewish state's slaughter and maiming of brave young Gazans who are simply demanding their Right of Return under international law.

=============

Source: ***An article-styled petition authored by Dr. Vacy Vlazna, the Coordinator of Justice for Palestine Matters***

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر رفیق تنظیم اسلامی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم بی اے، ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0300-6627721

☆ بیٹی، عمر 28 سال، تعلیم L.L.B ...... بیٹی عمر 26 سال، تعلیم ایم فل اکنامکس، ذات مغل کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔
برائے رابطہ: 0336-8738423

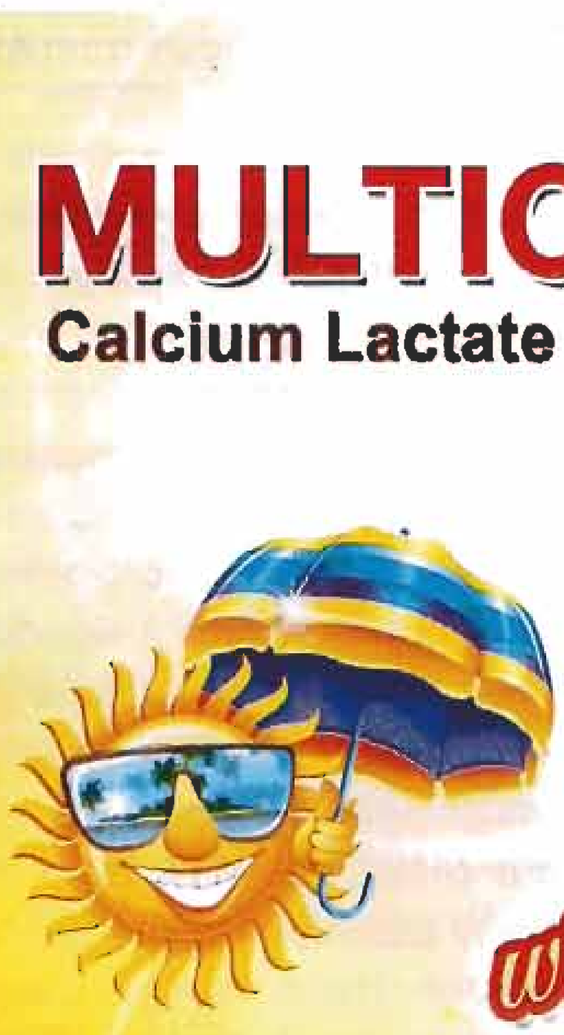

Vol: 27 Regd. No. C.P.L NO.114 No.19

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore